اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا سورۂ فتح پ ۲۶

ترجمہ:۔ بیشک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی

جھریا کا فیصلہ کُن مُناظرہ

حقائق کی روشنی میں

یعنی

رضاخانیوں کی شرمناک شکست کی کہانی

حاضرین ومشاہدین کی زبانی

مرتّب

مولانا عبدُ المالک صاحب بھوجپوری

حسب فرمائش:۔ مسلمانانِ جھریا ضلع دھنباد

ناشر:۔ ادارۂ تالیفِ ضیاءُ الاسلام گدڑی بازار بلیا یوپی

جھریا کا
فیصلہ کن مناظرہ

مولف (مولانا) عبدالمالک صابر الحسینی بھوجپوری

طبع اوّل	۱۹۸۶ء	۱۰۰۰
طبع دوم	۲۰۱۰ء	۶۰۰
قیمت		۳۵

ناشر:۔ ادارہ تالیفات ضیاء الاسلام، گدڑی بازار، بلیا (یوپی)

مطبع: شیروانی پریس گلی قاسم جان، دلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روداد مناظرہ لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

عبدالمالک بھوجپوری

دنیا کے لوگ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں مذہبی اور اعتقادی اختلافات کوئی نئی چیز نہیں. اس کا سلسلہ پہلی صدی سے شروع ہو چکا تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے سفر فرماتے ہوئے نصف صدی بھی نہ گذری تھی کہ مختلف فرقے اپنے مخصوص اعتقادات و نظریات کے ساتھ پیدا ہو چکے تھے. جنکی راہ شاہراہ ہدایت سے بالکل الگ تھی. زمانہ کی عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مذہبی اختلافات اور نئے نئے فرقوں کی تعداد بھی بڑھتی رہی، جس کی

تاریخ لکھی جائے تو ایک ضخیم کتاب ہو سکتی ہے۔ جہاں تک میری اپنی معلومات کا تعلق ہے، بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ جو فرقے بھی پیدا ہوئے ان کی کچھ نہ کچھ اعتقادی اور نظریاتی بنیاد تھی۔ ایک کو دوسرے کے عقیدے سے اختلاف تھا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ مرزا غلام احمد قادیانی تک پہونچا۔ انھیں میں سے ایک گروہ نے علیحدگی اختیار کر کے ایک عجیب و غریب فرقہ بریلویت کی بنیاد ڈالی۔ جو ماضی کے تمام باطل فرقوں پر سبقت لے گئی۔ ان کا اختلاف اعتقادات کا نہیں تھا بلکہ پیٹ کا تھا۔ پیٹ کے بت خانے کو سامنے رکھ کر شریعت مصطفوی کے تمام احکامات سے نگاہیں پھیر لیں اور شریعت میں کتر بیونت شروع کر دی اور حلال و حرام کی تمیز اٹھا دی۔ ظاہر ہے دوسرے فرقے تو شریعت کے بعض احکام سے اعراض کرنے کی بنیاد پر باطل قرار پائے اور اس نئے فرقہ نے شریعت میں اوّل سے آخر تک تحریف کر ڈالی۔ اب اسکے باطل ہونے میں کیا شبہہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ دوسرے باطل فرقوں نے بھی اِسے باطل قرار دیا۔ اہل حق کا تو کہنا ہی کیا ہے، اس آخری نئے فرقہ کی بنیاد آج سے تقریباً پچاس سال قبل ایک مشہور شاطر، چالاک اور عیّار شخص مولوی احمد رضا خاں نے ڈالی اور اپنے جسم پر محبت رسول کا خول چڑھا کر اور اس گدھے کی طرح جس نے کسی زمانے میں شیر کا خول اوڑھ کر انسانوں کا کھیت تباہ و برباد کر دیا تھا۔

جب کبھی ہوشیار آدمی نے ہمت کر کے اس کو پکڑ لیا تو سمجھ میں آیا کہ یہ گدھا ہے تو پھر اس کی جو مرمت ہونی چاہئے تھی وہ ہوئی۔ ٹھیک یہی حال احمد رضا خاں اور ان کے

عقیدتمندوں کا ہے۔ محبت رسول کا خول جسم پر ہے، مگر اس کے پردے میں
شریعت مصطفوی کی شکل و صورت بگاڑ کر اس کے مقابلے میں ایک نئی شریعت
کی بنیاد ڈالی جس میں پیٹ کو زیادہ نفع پہونچایا۔ اس شکم پروری کا جذبہ یہاں تک
بڑھا کہ مرنے کے بعد بھی ایک درجن سے زیادہ لذیذ کھانوں کی فرمائش کر گئے۔ یہ
حدیث مشہور ہے کہ مرنے کے بعد حریص کے پیٹ کو قبر کی مٹی بھر دیتی ہے۔ مگر خانصاحب
کے پیٹ کو قبر کی مٹی بھی نہ بھر سکی اور قیامت تک کے لئے ان کا پیٹ کشادہ کر دیا گیا۔
تاکہ عقیدتمندوں کے جتنے نذرانے آئیں سب کے سب ان کے پیٹ میں رکھے جائیں۔
اب ممکن ہے کہ جہنم کی آگ ان کے اور ان کے عقیدت مندوں کے پیٹ کو
بھردے۔ بہرحال ان کے مذہب کی بنیاد شکم پروری پر رکھی گئی جس کا اشارہ
انھوں نے اپنے وصایا شریف میں واضح طور پر کر دیا ہے:

"حتی الامکان اتباع شریعت کرنا، مگر میرا دین و مذہب
جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر عمل کرنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔"

ناظرین مطالعہ فرمائیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دنیا
میں دوسرا کون سا دین ہے جس پر عمل کرنا ہر فرض سے اہم فرض ہے، حتی الامکان
نے ثابت کر دیا ہے ہو سکے تو عمل کرے نہ ہو سکے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر میری
شریعت جس میں پیٹ کو زیادہ فروغ حاصل ہے اس کی کوئی چیز چھوٹنے نہ
پائے ورنہ کافر، مرتد، زندیق ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ان کے اس

دین پر عمل نہیں کرتے وہ ان کے نزدیک کافر و مرتد اور خارج از اسلام ہیں کوئی صاحب انصاف سے بتلائیں دین مصطفوی کے متوازی دین نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

وہ تو کہئے کہ اہل حق علمائے دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا جنھوں نے وقت پر اس بہر دیئے کو پہچان لیا، اور ارباب دنیا کے سامنے بے نقاب کر دیا ورنہ مسلمانوں کا طبقہ کب کے گمراہ ہو چکا ہوتا۔ اسی بنا پر علمائے دیوبند کے ساتھ رضا خانی ملاؤں کی دشمنی فطری امر بن گئی۔ اس وقت سے لے کر آج تک رضا خانیوں نے علمائے دیوبند کو نہیں بخشا، ہر آن، ہر موڑ پر مناظرہ کے لئے چیلنج کیا۔ علمائے دیوبند نے اگرچہ اس میں امت کا فائدہ نہیں دیکھا، مگر مجبور ہو کر ہر چیلنج کو قبول کرتے گئے اور رضا خانیوں کو زبردست شکستیں ہوتی رہیں۔ جن کی روداد یں چھپ چکی ہیں۔ انھیں دیکھا جا سکتا ہے۔ مگر اس بے حیا فرقہ کے پاس حیا نام کی کوئی چیز نہیں ہے، مناظروں سے پہلے ہی اپنی فتح کا اشتہار چھپوا لیتے ہیں اور خاتمہ مناظرہ کے بعد دنیا بھر میں تقسیم کر ڈالتے ہیں اور شور مچاتے ہیں کہ ہماری فتح ہوئی ہے۔ علمائے دیوبند غلط پروپیگنڈے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ ان کے پاس مال خالص ہے کسی نمائشی لیبل کی ضرورت نہیں ہے۔ رضا خانیوں کے پاس مال کھوٹا ہے ان پر غلط لیبل اور پروپیگنڈے کی ضرورت ہے۔ پوری دنیائے رضا خانیت کی بنیاد اسی تکنیک پر ہے۔ بہر صورت یہ سلسلہ احمد رضا خاں صاحب کے زمانہ سے آج تک بھی اسی طرح چلا آرہا ہے۔

آخر میں ایک مناظرہ جھریا کولفیلڈ میں مورخہ ۲۲ / ۲۳ / ۲۴ / اپریل ۱۹۶۸ء

کو علمائے دیوبند اور رضاخانیوں کے درمیان ہوا۔ اس میں بھی وہی ہوا جو اس سے قبل کے مناظروں میں ہوچکا تھا۔ رضاخانیوں کو شکست فاش ہوئی، ذلتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بھری محفل میں اپنی کذب بیانی کے لیے معافی مانگنا پڑی۔ پورے مجمع پر سناٹے کا عالم طاری ہوگیا۔ دیوانگی اور جنون کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ باتیں کچھ کرنا چاہتے تھے اور زبان سے کچھ نکلتا تھا۔ اس بدحواسی میں میدانِ مناظرہ چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کی۔ جب انھیں کچھ طمانیت اور سکون میسر ہوا تو اپنی مذموم حرکتوں پر نادم و پشیماں ہوئے اور محسوس کیا کہ معتقدین کا ایک طبقہ ہماری حرکتوں کو دیکھ چکا ہے اگر اعتقاد ٹوٹ گیا تو کیا ہوگا۔ پھر جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں، ان تک یہ خبر پہونچ گئی تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔ تو انھوں نے اپنی پرانی عادت کے موافق متعدد اشتہارات اپنی من گھڑت کامرانی کے قصوں پر مشتمل چھپوا کر تقسیم کیئے۔ حد ہوگئی کہ اشتہار میں مشاہدین مناظرہ کے نام بھی ایسے لوگوں کے چھپے جن کا پورے صوبہ میں نہ وجود تھا نہ ہے۔ مناظرہ جھریا دھنباد میں ہوا اور مشاہدین کا نام ٹکیہ پارہ شب پور ہوڑہ کے لوگوں کا دیا۔ ایک بھی جھریا کے آدمی کا نام اس میں موجود نہیں ہے تھوڑی بہت عقل و شعور رکھنے والا ان کی مکاری کو سمجھ سکتا ہے۔ جگہ جگہ جشن فتح منایا، بایں تخیل کہ آج کی دنیا تو پروپیگنڈہ کی دنیا ہے جس چیز کا جتنا اشتہار ہوگا اسکی دوکان اتنی ہی زیادہ چلے گی۔ ہندوستان بھر کے لوگ تو مناظرے میں گئے نہیں تھے جنھیں

اصل حقیقت کا پتہ ہو، ظاہر ہے کہ ہماری باتیں ان تک پہونچیں گی تو ہماری حقانیت ان پر زیادہ واضح ہوگی۔ علمائے دیوبند نہ ان کی ضرورت محسوس کرتے ہیں نہ ان کو غلط پروپگنڈے سے کوئی واسطہ ہے۔ جہاں تہاں دبکے پڑے رہیں گے، ملک بھر میں تردید کون کرتا پھرے۔ لیکن جب پانی سر سے اُونچا ہوگیا اور کئی غلط اشتہارات سامنے آئے تو اُمتِ مسلمہ کو گمراہی سے بچانے کی خاطر طبیعت پر جبر ڈال کر یہ روداد مناظرہ لکھنا پڑی تاکہ عوام صحیح صورتِ حال سے واقف ہوجائیں اور ممکن حد تک گمراہ نہ ہونے پائیں۔ ویسے جس کے مقدر میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت نہیں رکھی، اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سامنے ہوتے ہوئے بھی ہدایت نہیں ملی۔

مجاہدِ ملت، مناظرِ اسلام حضرت مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ العالی نے ناچیز کو حکم فرمایا کہ تم کو یہ کام انجام دینا پڑے گا۔ میں اپنی مصروفیت کی بنا پر سخت معذور تھا، مگر اس کو کیا کہیے کہ بڑے کا حکم واجب کا درجہ رکھتا ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مطابق باوجود ہنگامہ خیزی اور مصروفیات کے انجام دینا پڑا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری ملتِ اسلامیہ کو ہدایت کی دولت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین!

عبدُ المالک غفر لہٗ

صدر مدرس مدرسہ ضیاء العلوم گدڑی بازار، بلیا (یوپی)

مناظرہ کے اسباب

اہل سنّت والجماعت علمائے دیوبند

کی فتح مبین کا ایک دلچسپ منظر

نوک خنجر کی عبارت آپ پڑھئے تو سہی
خون کے دھبے بتائینگے کہ قاتل کون ہے

جھریا ضلع دھنباد (بہار) تمام ملک میں معدنیات کے اعتبار سے ایک مشہور شہر ہے، جہاں کوئلوں کا بے پناہ ذخیرہ موجود ہے، اس کی زمین ہمہ وقت اپنے منہ سے کالا ہیرا (یعنی کوئلہ) اگلتی رہتی ہے۔ اس شہر میں ملک کے تمام گوشوں سے مختلف مزاج، مختلف عقائد کے لوگ بغرض حصول رزق کھینچ کر چلے آتے ہیں اور عرصۂ دراز سے باہم میل ملاپ اور محبت واخوت کے ساتھ زندگی گذار رہے تھے اگرچہ ان کے درمیان فکر و مزاج کا قدرے اختلاف بھی موجود تھا مگر یہ اختلاف کوئی بنیادی اختلاف نہیں تھا، جس سے آپس میں نفاق و دشمنی کی زندگی گذارتے

توحید و رسالت میں متفق تھے اور اپنے اپنے عقیدے کے مطابق مذہبی رسوم کو بھی ادا کرلیا کرتے تھے۔ ان کے مزاج میں مسلک کے بارے میں کوئی تشدد نہیں تھا، بریں بنا ان کے درمیان ایک خوشگوار زندگی کی چہل پہل موجود تھی وہ اختلاف ونفاق کو سرے سے جانتے ہی نہیں تھے۔

اچانک رضاخانی ملّاؤں کی نظرِ بد جھریا کو لگ گئی

رضاخانی ملّاؤں کو اول ہی دن سے مسلمانوں کی یہ ادا کبھی پسند نہیں آئی کہ وہ آپس میں اتفاق واتحاد کی زندگی گذاریں، اور امن وعافیت کے ساتھ رہ سکیں۔ چونکہ انھوں نے اپنے مذہب کی بنیاد ہی نفاق بین المسلمین کفر وشرک، بدعات ومنکرات اور منہیات پر ڈال رکھی ہے۔ اس کا تقاضہ یہی تھا کہ مسلمان اختلاف ونفاق کی زندگی گذاریں، کیونکہ اس کے ذریعہ سے ان کی جب ہوس پُر ہوتی ہے اور شکم پروری کے لئے سنہرے مواقع ہاتھ لگتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے پُرانے دستور اور خاندانی رسم ورواج کے مطابق ۲۱ر مارچ ۱۹۷۸ء کو جلسۂ سیرت النبی کا انتظام کیا۔ اس میں جھوٹی محبت اور عظمت رسول کے نام پر مسلمانوں کے ایک ناواقف طبقہ کو اہل سنت والجماعت اکابر علمائے دیوبند کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور ان کے اکابرین کی کتابوں سے کچھ عبارتیں کاٹ چھانٹ کر قابل اعتراض بنائیں، جیسا کہ ان سے قبل ان کے مورث اعلیٰ

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ۱۳۲۳ھ میں اس طرح کی ناپاک حرکت کی اور علمائے دیوبند کی کتابوں سے ادھوری عبارتیں نکالیں اور قابل اعتراض بنا کر علمائے حرمین کے سامنے پیش کیں اور فریب سے علمائے دیوبند کے خلاف کفر کا فتویٰ حاصل کیا۔ اسی رشتہ دیوبند کی بنیاد پر احمد رضا خاں کے اخلاف نے علمائے دیوبند کے خلاف بھریا میں غلاظتیں اچھالیں، بدزبانیاں کیں اور شرم وحیا سے بے نیاز ہو کر معروف رذیل قوموں کی طرح گالیاں دیں۔ بہت سے حیادار حاضرین جلسہ کو ان کی یہ حرکتیں بُری معلوم ہوئیں۔

اسی پر بس نہیں کیا بلکہ علمائے دیوبند کو کافر کہا۔ جو انہیں کافر نہ سمجھے اُسے کافر بتلایا، ان کے ساتھ رسم و راہ حرام قرار دیا۔ ان کے پیچھے نماز ناجائز اور شادی بیاہ حرام بتلایا۔ اور اگر کسی شخص کی شادی دیوبندیوں کے یہاں پہلے ہوچکی ہے تو ان کی اولاد کو حرامی اور ولد الزنا قرار دیا۔

علمائے دیوبند کی کتابوں کو جلانے اور دریا بُرد کر دینے کی ہدایت کی

بہشتی زیور نامی مشہور فقہ کی کتاب کا پڑھنا حرام قرار دیا۔ مولوی انتخاب قدیری مراد آبادی جو اپنے گروہ رضاخانیت کا نام نہاد اور ادھورا مولوی ہے لیکن گالی دینے اور کسی پر لعن طعن کرنے میں ید طولیٰ حاصل ہے۔

رضاخانیوں کا بڑا مولوی وہ ہے جسے زیادہ غلیظ گالیاں دینا آتی ہوں

اس نے جھریا کے عوام کے گھروں سے تمام بہشتی زیور منگا کر اپنے ساتھ مراد آباد لے جانے کا پروگرام بنایا، لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ ان کتابوں کو ساتھ کیوں لے جائیں گے، جب یہ کتاب اتنی ناپاک ہے تو اس کو ہم یہیں جلا دیتے ہیں تو اس دشمنِ رسول ﷺ نے جواب دیا کہ جلانے کے بعد جلے ہوئے کاغذات کے ذرات جھریا کی فضاؤں پر اُڑیں گے اور اہل جھریا کے گھروں کو ناپاک کر دینگے۔ لہٰذا ہم اسے الہ آباد لے جا کر گنگا بُرد کر دیں گے۔

انتخاب قدیری نے تمام بہشتی زیور کو بیچا کر فروخت کر دیا اور روپے اپنے جیب میں رکھ لئے

ظاہر ہے یہ تمام ڈرامہ اسی مقصد کے تحت اسٹیج کیا گیا تھا، وہ مقصد حاصل ہو گیا، مذہب رضاخانیت کی وجہ تاسیس بھی یہی ہے۔

ملاحظہ ہوں خاں صاحب بریلوی کے وصایا شریف :-

جھریا میں سیرت کے نام پر جلسہ ہوا مگر ایک

لفظ بھی سیرت کے موضوع پر رضاخانیوں نے نہیں کہا

تمام تران کا زور علمائے دیوبند کی تنقیص اور بُرائی بیان کرنے پر صرف ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

شاتم رسول رضاخانیوں کو سیرت پر بولنے کی قدرت ہی نہیں دی

اور آج بھی اہل نظر و بصیرت کو عام دعوت ہے جہاں کہیں بھی رضاخانیوں کا جلسۂ سیرت النبیؐ ہوا آپ جا کر سُن لیں کہ سیرت کے موضوع پر کس قدر تقریریں ہوتی ہیں اور علمائے دیوبند کے خلاف کتنی بکواسیں، موازنہ خود کر لیں گے۔ بہر صورت جھوٹ بولکے اس جلسۂ سیرت میں عوام کے دلوں پر علمائے دیوبند کے خلاف جذبۂ نفرت بٹھایا گیا، اور پر سکون ماحول و فضا کو غارت کر دیا گیا۔ رضاخانیت کے فکر و مزاج سے واقف بھولے بھالے مسلمان جن کے دلوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ عقیدت و محبت ہے۔ نام نہاد محبت کے نام پر پنجۂ شرک و کفر میں گرفتار ہوگئے۔ سُنّی مسلمان کا نعرہ دے کر سب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر لیا اور آہستہ آہستہ رضاخانی فکر و مزاج کے مطابق ایک جماعت کی تشکیل کر لی جس میں غالب اکثریت ناخواندہ عوام، بازاری لونڈوں اور ناواقف بھولے بھالے مسلمانوں کی تھی۔ اور انھیں علمائے دیوبند اور ان کے عقیدت مندوں کو گالیاں

طعن و تشنیع دینے کی ہدایت اپنے مذہب کے مطابق کی۔ اور اسی کو دین بتلایا، اسی پر نجات اخروی کا مدار ثابت کیا۔ عوام تو بہر صورت کالانعام ہوتے ہی ہیں انھیں ثواب دارین کا ایک شرعی نسخہ نام نہاد مولویوں کے فتوی سے مزین ہو کر ہاتھ لگ گیا۔ اس کے بعد تو اہل حق کا راستہ چلنا محال ہو گیا۔ ہوٹلوں میں بازار میں، گذرگاہوں پر علمائے دیوبند اور ان کے معتقدین کے خلاف بھبتیاں کسی جانے لگیں۔ مسجدوں میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا۔ نماز پڑھنے کے بعد مسجدیں دھوئی جانے لگیں۔ یہ تمام تکلیفیں اور اذیتیں عقیدتمند ان علمائے دیوبند کمال شرافت کے ساتھ برداشت کرتے رہے، تاکہ باہم کوئی اختلاف و انتشار کی کیفیت پیدا نہ ہوسکے۔ لیکن ان شرافتوں کا اثر ان حیاسوز رضاخانیوں پر ذرہ برابر نہیں پڑا۔ بلکہ اس کے برعکس ان کی کمزوری پر محمول کیا اور اپنی ہنگامہ خیزی اپنی عادت رذیلہ کے مطابق تیز تر کر دی۔ اگر اتنے ہی پر بس کر جاتے تو کوئی بات نہیں تھی۔ مزید آگے بڑھ کر علمائے حق کو مناظرے کا چیلنج کرنے لگے۔ علمائے دیوبند نے مناظرہ کو مصلحت وقت اور تقاضائے عقل کے خلاف سمجھا۔

علمائے دیوبند ہمیشہ یہی کہتے رہے مناظرہ سے امت کو فائدہ نہیں نقصان پہونچے گا

ان حرکتوں اور اشتعال انگیزیوں سے باز آیئے، مسلمان باہم دو طبقوں

میں بٹ جائیں گے۔ ان کی قوتیں کمزور پڑ جائیں گی اور ان کی ہوا اکھڑ جائیگی؛ جیسا کہ خود قرآن حکیم کا اعلان ہے:- تَذْهَبَ رِيحُكُمْ الخ لیکن رضاخانی مولویوں پر ان سنجیدہ باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور ہنگامہ خیزی بدستور جاری رہی، ان کا مقصد عوام میں بدامنی پھیلا کر ایک طبقہ کو علیحدہ کرنا تھا، تاکہ اپنی دال روٹی چلتی رہے۔

بقول ایک رضاخانی عالم کے ہم مناظرہ اس لئے نہیں کرتے کہ حق ظاہر ہو

بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ ہماری تجارت شکم کو فروغ حاصل ہو، مناظرہ کے بعد یہ مقصد اچھی طرح حاصل ہو جاتا ہے، اور ایک گروہ آنکھ بند کر کے ہمیں پیسے دیتا ہے۔ ہماری دنیا عیش و آرام کے ساتھ گذرتی ہے۔

علمائے دیوبند کے امن و صلح کی کوششوں کو رضاخانیوں نے کمزوری پر محمول کیا

اور عوام کو یہ تاثر دینے لگے کہ اگر یہ علمائے دیوبند حق پر ہوتے تو ہمارا چیلنج قبول کر لیتے اور مناظرہ کیلئے تیار ہو جاتے۔ بیچارے عوام رضاخانی منصوبے سے ناواقف انھوں نے یہ محسوس کیا کہ اِدھر سے مسلسل چیلنج اور اُدھر سے مسلسل انکار یقیناً کمزوری کی دلیل ہے۔ عوام رضاخانیوں کے مکر کے جال میں مبتلا ہو گئے اور ان کی حمایت

کرنے لگے۔ ان رضاخانی مولویوں نے اپنی سابقہ عادت خبیثہ کے مطابق اوباش اور بازاری قسم کے لونڈوں کا ایک گروہ تیار کیا، اور اس گروہ کا سرپرست واجد حسین صاحب کو بنایا۔ واجد حسین صاحب جھریا میں ایک مشہور پھل کے تاجر ہیں جنھیں خدا نے دولت دے رکھی ہے۔ مگر بے چارے علم سے محروم ہیں۔ دولت کے زور پر شہرت عزت اور شرافت خریدنا چاہتے تھے، یہ خاندانی رضاخانی ہیں اور دنیاوی رسم ورواج کے دلدادہ۔ ظاہر ہے ایسے ہی بے وقوف دولتمندوں کی رضاخانی مولویوں کو ضرورت تھی۔ واجد حسین صاحب سستی شہرت کی خواہش میں ان کے ہاتھوں میں نسخہ کیمیا بن گئے۔ غنڈوں، شہدوں کی سرپرستی کے بغیر انجام سوچے ہوئے قبول کرلی۔ واجد حسین صاحب پہلے سے ہی رضاخانیت کے حامی تھے، اب اور بھی حقیقت سے نگاہیں پھیر کر، پوشیدہ طور پر رضاخانیت کی حمایت کرنے لگے، کیونکہ انھیں ڈر تھا کہ اگر رضاخانیت اور غنڈوں کی کھل کر حمایت کی تو اہل علم اور شریف طبقے میں انتہائی درجہ کی رسوائی ہوگی۔ اس تصور نے واجد حسین صاحب، کو منافقانہ روش اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ بہرصورت رضاخانیت اور اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند کے درمیان اختلاف شدید سے شدید تر ہوگئے۔ لوگوں کا راستہ چلنا دشوار اور گلی کوچوں میں نکلنا مشکل ہوگیا۔ بہشتی زیور کے بعض مسائل پر اعتراض کرکے لوگوں کو بھڑکایا گیا تھا۔ علمائے حق اور ان کے رفقائے کار اس اذیت اور دل آزاری کو برداشت کرتے رہے۔ تاکہ اختلاف کی خلیج وسیع نہ ہونے پائے۔ ان تمام

ان تمام ہنگامہ آرائیوں کے باوجود ذی علم اور سمجھدار طبقہ رضاخانی مولویوں کی بے مائیگی، کم علمی اور خباثتوں کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔ علمائے دیوبند سے ان کی دشمنی مسلک و مسائل پر نہیں ہے بلکہ دنیاوی مفاد اور پیٹ کی تجارت کو نقصان پہونچتا ہوا دیکھ کر، شور و ہنگامہ سے خود رضاخانیوں کو اپنے عقیدہ کی کمزوری کا احساس ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو عقیدہ وہ پیش کرتے ہیں، قرآن و سنت کے سراسر خلاف اور مبنی بر کفر و شرک ہے۔ مگر وہ کیا کریں کہ اسی میں ان کو دنیا کی بھلائی نظر آتی ہے۔ آخرت کی تباہ کاری کا ان کو اچھی طرح علم ہے لیکن خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق تو پورا حلقہ رضاخانیت بنا ہوا ہے۔ ذی علم طبقہ نے ان کے اس مکر و فریب کو بے نقاب کرنے کے لئے اور عوام کو واقف کار بنانے کے لئے بہشتی زیور کے جن مسائل پر انھیں اعتراض تھا، انھیں مسائل کو رضاخانیوں کی مستند کتاب بہار شریعت سے نکال کر ایک اشتہار میں جمع کر کے شائع کرا دیا، تاکہ حق ظاہر ہو اور ان کے مکر و فریب کا پردہ چاک ہو اور ہوا بھی ایسا ہی، اللہ تعالیٰ نے جنھیں تھوڑی بہت بھی عقل و خرد کا حصہ دیا تھا، انھوں نے سمجھ لیا کہ

رضاخانیت کی بنیاد جہالت و ضلالت پر ہے

کچھ عرصہ تو انھیں حالات میں گذرا کہ مرد از غیب بروں آید و کارے بکند کے مصداق رئیس المناظرین، امام المتکلمین حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ

دار العلوم دیوبند، تبلیغی پروگرام کے سلسلہ میں ضلع دھنباد (بہار) کے دورے پر تشریف لے آئے۔ حضرت مولانا کی آمد مسلم خواص وعوام کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ عوام نے مولانا موصوف کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ حضرت والا کی موحدانہ تقریریں کتاب وسنّت کی روشنی میں ہونے لگیں۔ بے چین عوام کے قلوب کو اطمینان نصیب ہوا۔ راحت ملی اور عوام نے محسوس کیا کہ درحقیقت یہی علم بردارانِ کتاب و سنّت ہیں۔ رضاخانی مولویوں کو تو نہ قرآن سے تعلق ہے اور نہ سنّتِ رسول سے۔ صرف سنت کے نام پر ہنگامہ آرائی کرنا جانتے ہیں۔ مولانا کی مسلسل تقریروں سے مسلمانانِ جھریا کی کایا پلٹ گئی۔ لوگوں نے امن وسکون کا سانس لیا۔ مولانا ارشاد صاحب کی تقریریں اتنی مقبول ہوئیں کہ ۳ر دسمبر ۱۹۷۶ء سے ۷ر جنوری ۱۹۷۶ء تک مسلسل دھنباد وجھریا اور اس کے مضافات میں ہوتی رہیں۔ عوام کے سمجھ دار طبقہ کا ان تقریروں سے متاثر ہونا ایک قدرتی امر تھا، وہ ہوا۔ جہاں مولانا کی تقریروں نے جھریا میں خوشگوار فضا پیدا کی وہیں ایوانِ رضاخانیت میں زلزلہ برپا کردیا۔ اہل بدعات کے حلقہ میں کھلبلی مچ گئی۔ رضاخانیوں نے مولانا کی تقریروں کو اپنے پروگرام اور مشن کیلئے موت کا پیغام سمجھا۔ اپنے مشرکانہ عقیدوں پر توحید وسنت کی سنگین ضرب محسوس کی۔ اور اس کو برداشت نہ کرسکے۔ رضاخانیوں میں ہذیانی، دیوانگی اور جنونی کیفیت پیدا ہوگئی۔ ان میں قدرتی طور پر انتقامی جذبہ اُبھر آیا۔ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے، اپنے لئے شر وفساد اور ہنگامہ کے علاوہ کوئی راہ نہیں دیکھی، اور پروگرام مرتب

کیا کہ مولانا ارشاد صاحب کے جلسوں میں پہونچ کر مناظرہ کے لئے چیلنج کیا جائے۔ چنانچہ مرتبہ منصوبہ کے مطابق اس کو عملی شکل دے دی اور عوام میں مارپیٹ کی بنیاد ڈال دی۔

مناظرہ کیلئے چیلنج کرنا دو حال سے خالی نہ تھا

پہلا : پہلا تو یہ کہ اگر مولانا ارشاد احمد صاحب مناظرہ کیلئے تیار ہو گئے تو قرآن واحادیث نبویہ کے ذریعہ تلاش حق کے بجائے دیرینہ عادت کیمطابق فتنہ وفساد برپا کر دیا جائے گا، جیسا کہ ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آج تک رضاخانیوں نے قرآن وسنت کا سامنا نہیں کیا حتیٰ کہ امام المغضوبین احمد رضا خاں صاحب نے زندگی بھر قرآن وسنت کا مذاق اُڑایا۔ جہاں کہیں بھی مناظرے ہوئے یا تو ہنگامہ کے نذر ہو گئے یا پولیس کے ذریعہ رضاخانیوں نے ختم کرا دیا۔ ٹھیک یہی صورت حال یہاں بھی پیدا ہو گئی تاکہ عوام مولانا کی تقریروں سے رضاخانیت کی ضلالت وگمراہی کو پرسکون ماحول میں نہ سمجھ سکیں۔ ورنہ عوام کا فیصلہ ہمارے خلاف ہوگا۔ جب ان کو ہمارا مذہب سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملے گا تو حق تذبذب میں پڑ جائیگا۔ اس طرح رضاخانیت کی ساکھ برقرار رہے گی۔

دوسرا : دوسرا یہ کہ مولانا موصوف نے اگر مناظرے سے انکار کر دیا تو ہمارے نام نہاد علم کی دھاگ عوام کے قلوب میں بیٹھ جائے گی اور عوام کو بہکانے

میں آسانی ہوگی اور پروپیگنڈہ کے بعد ظاہر کیا جائے گا کہ اگر یہ حضرات حق پر ہوتے تو مناظرہ کے لیے یقیناً تیار ہو جاتے۔ ان کا مناظرہ کے لئے تیار نہ ہونا ناحق ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ رضاخانیوں نے کچھ شرپسند عناصر کو ایک مولانا کے جلسوں میں پہونچ کر چیلنج کیا۔ مولانا ارشاد احمد صاحب ایک تجربہ کار، متبحر، متقی عالم ہیں، اور رضاخانیوں کے مکر و فریب سے اچھی طرح واقف ہیں۔ متعدد مناظرے ملک کے طول و عرض میں کر چکے تھے۔ رضاخانیوں کی شرارتوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ انھوں نے جواب دیا: علمائے اہل سنت والجماعت کا پیشہ مناظرہ کرنا نہیں ہے۔ اور نہ میں مناظرہ کے ذریعہ امت میں فساد برپا کرنے کا عادی ہوں۔ اختلاف پیدا کرنا اہل حق کا کام نہیں ہے میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔ البتہ جب باطل کو حق کہا جاتا ہو، سچ کے نام پر جھوٹ کی اشاعت کی جارہی ہو تو ایسے وقت میں علمائے حق پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ حق کو واضح اور باطل کو بے نقاب کر دیں، تاکہ مسلمانوں کے دین و ایمان محفوظ رہ سکیں۔ اگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مناظرہ کرنا ہی ضروری ہے تو ایسی صورت میں ہم انکار بھی نہیں کرتے۔

بلکہ ہمہ وقت مناظرہ کے لئے تیار ہیں

لیکن مناظرہ حق کی تلاش کے لئے علمی مباحث کا نام ہے اور آپ حضرات رضاخانیت کے دلدادہ اور شیدائی ہیں جہاں شر و فساد کے علاوہ اور کسی دوسری چیز کا وجود ہی نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ پہلے شرائط مناظرہ اور اس کے

مبادیات طے ہو جائیں تاکہ یہ مناظرہ کامیاب اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکے۔ مولانا موصوف کا یہ کہنا بالکل معقول اور درست تھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ رضاخانیوں میں تھوڑی بہت بھی شرافت ہوتی تو اپنے بیہودہ مطالبہ سے باز آجاتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ مولانا ارشاد احمد صاحب کی گفتگو کو رضاخانیوں نے فرار سے تعبیر کیا اور عوام میں مشتہر کردیا کہ یہ مناظرہ سے بھاگ رہے ہیں۔ بہر صورت مولانا کے دوسرے پروگراموں میں اسی طرح چیلنج کرتے رہے، بلکہ بعض پروگراموں میں اپنی جماعت کے لوگوں سے ڈھیلے اور پتھر پھینکواتے اور انسانیت سوز حرکتوں پر کمربستہ ہوگئے۔

مولانا ارشاد احمد صاحب نے نجات اسی میں سمجھی کہ مناظرہ قبول کرلیا جائے

اس جذبہ کے تحت مولانا ارشاد احمد صاحب نے رضاخانیوں کا چیلنج قبول کرلیا۔ اس کے بعد برابر زور دیتے رہے کہ شرائط مناظرہ طے کرلئے جائیں۔ لیکن رضاخانی مولوی ہمیشہ حیلہ حوالہ سے کام لیتے رہے۔ اور شرائط مناظرہ کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ ایک روز معلوم نہیں کس جذبہ کے تحت دفعتاً رضاخانیوں کی جانب سے معاملات کی منظوری کا پیغام آگیا۔

فریقین کی خواہش کے مطابق شرائطِ مناظرہ طے ہوئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرائطِ مناظرہ

(۱) مناظرہ تقریری اردو زبان میں ہوگا۔

(۲) ہر مناظر کو سوال اور جواب کیلئے پانچ منٹ کا وقت دیا جائے گا۔

(۳) مناظرہ حسب اُصول مناظرہ ہوگا۔

(۴) نقضِ امن کی پوری پوری ذمہ داری تنظیم اہل سنت کے صدر پر ہوگی۔

(۵) اسٹیج ایک ہوگا، فریقین کے علماء ایک ہی اسٹیج سے عوام کو خطاب کریں گے۔

(۶) ہر مناظر کو گفتگو میں متانت اور سنجیدگی کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ کسی فریق کے عوام کو نعرہ وغیرہ لگانے کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔

(۷) ہر مناظر کی صرفی نحوی غلطیوں پر مناظر کو ٹوکنے کا حق ہوگا۔

(۸) فریقین میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہوگا کہ جو عبارت مناظرے میں پیش کی جارہی ہو، فریقِ مخالف کا مناظر اگر اس کو لکھنا چاہے تو مناظر کو لکھ کر دینا ہوگا۔

(۹) کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماعِ امت اور قول امام اعظم سے استدلال

کرنا ہوگا۔

(۱۰) استدلال کیلئے عربی کتب کو پیش کرنا ہوگا۔

(۱۱) فریقین کے اکابر کی کتب فریقین پر حجت ہوں گی۔ اس کا انکار فرار پر محمول کیا جائے گا۔

(۱۲) رضاخانی علمار اپنے اکابر کا مسلمان ہونا ثابت کریں گے۔

(۱۳) دیوبندی علمار اپنے اکابر کا مسلمان ہونا ثابت کریں گے۔

(۱۴) مناظرے کے مصارف کی پوری پوری ذمہ داری یعنی علمار کا طعام وقیام، مصارف سفر تنظیم اہل سنت کے سر پر ہوگا۔

(۱۵) جگہ کا انتخاب فریقین کے ذمّہ داروں کو بعد مشورہ طے کرنا ہوگا۔ اور فیصلہ صدر اہل سنّت والجماعت کا قابلِ لحاظ ہوگا۔

(۱۶) مناظرے کی تاریخ کا تعین فریقین کے علمار کے مشورے سے کیا جائے گا۔

(۱۷) مناظرے کے فیصلے کا حق جو مناظرہ میں عوام حاضر ہوں گے، ان کے پڑھے لکھے طبقے کو ہوگا جو اُردو کی تقریر سمجھتے ہوں

(۱۸) مناظرے کی کارروائی جب تک مکمل نہ ہو جائے، فتح وشکست کے فیصلے کے اعلان کرنے کا حق کسی فریق کو نہ ہوگا۔ اور جو فریق اعلان کرے گا اس کی شکست تسلیم کی جائے گی۔

ارشاد احمد حنفی قادری مبلغ دارالعلوم دیوبند ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۹۸ھ مطابق ۳ر جنوری ۱۹۷۸ء	ارشد القادری ۲۲-۱-۹۸ھ مطابق ۳-۱-۷۸ء نقل مطابق اصل

واجد حسین صاحب کی تحریک پر ایک مناظرہ کمیٹی بنائی گئی

واجد حسین صاحب کی تحریک پر مناظرہ کے انتظام وانصرام کے پیش نظر بائیس ۲۲ آدمیوں پر مشتمل ایک مناظرہ کمیٹی وجود میں آئی جس کے صدر واجد حسین صاحب بنائے گئے۔

کارروائی کا خاکہ حسب ذیل ہے

آج ۲۶ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ مطابق ۷ جنوری ۱۹۷۸ء بوقت ۲½ بجے دن چھوٹی مسجد اوپر کلی جھریا میں جناب واجد حسین صاحب اور جناب تراب علی صاحب کے زیر اہتمام ایک مشترکہ نشست ہوئی جس میں مناظرہ مابین علمائے بریلی اور علمائے دیوبند کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور متفقہ طور پر طے پائے۔ اس کے بعد بائیس ۲۲ آدمیوں کا نام ہے۔ بعدہ مناظرہ کی تاریخ، جگہ اور وقت کے بارے میں اس طرح تفصیل ہے:-

تاریخ مناظرہ: ۱۳-۱۴-۱۵ جمادی الاولی ۱۳۹۸ھ

مطابق: ۲۲-۲۳-۲۴ اپریل ۱۹۷۸ء

بروز: سینچر۔ اتوار۔ دوشنبہ

وقت: سینچر کے دن صبح ۹ بجے سے ۱۲ بجے دن تک۔

سینچر کا دن گذار کر ۹ بجے شب سے ۱۲ بجے شب تک۔

اتوار:۔ صبح ۹ بجے شب سے ۱۲ بجے دن تک۔

اتوار کا دن گذار کر ۹ بجے شب سے ۱۲ بجے شب تک۔

اسی طرح ۲۴ر اپریل کو بھی دو نشستیں ہوں گی۔

نوٹ

اگر ان نشستوں میں فیصلہ نہ ہوا تو مزید دو نشستیں ۲۵ر اپریل دوشنبہ کو دن میں ۹ بجے صبح سے ۱۲ بجے دن تک۔ رات کو ۹ بجے شب سے ۱۲ بجے شب تک۔

(مقام مناظرہ) نیچے کلی جھریا کے میدان میں۔

متفرقات

(۱) مناظرہ کیلئے ضلع کلکٹر سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہوگی اور اجازت حاصل کرنے کی ذمہ داری بائیسوں افراد پر ہوگی۔

(۲) مناظرہ کے سلسلے میں ہر فریق کے چھ چھ علماء رہوں گے۔

(۳) مناظرہ کے سلسلے میں جملہ اخراجات بائیسوں افراد کے ذمہ ہوں گے۔

(۴) ہر اسٹیج کے لئے صدر کا انتخاب اس اسٹیج کے لوگ خود کریں گے
(۵) ہر اسٹیج کے مناظر کا اعلان وقت پر اس اسٹیج کا صدر کرے گا۔
(۶) قیام امن کی پوری پوری ذمہ داری بائیسوں افراد پر ہوگی۔

دستخط منتظمین وعلماء

اوپر لکھی ہوئی ساری باتوں کی ذمہ داریاں ہم قبول کرتے ہیں۔ بائیسوں افراد کے دستخط موجود ہیں۔

مناظرہ کی تاریخ، وقت اور مقام کے سلسلے میں ساری باتیں ہمارے سامنے طے ہوئی ہیں اور ہم حاضر ہونے کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔

(۱) ارشد القادری ۲۶-۱-۹۸ھ مطابق ۷-۱-۷۸ء
(۲) ارشاد احمد مبلغ دار العلوم دیوبند ۲۶/محرم ۹۸ھ مطابق ۷/جنوری ۷۸ء

(نقل مطابق اصل ہے)

یہ تمام امور طے پاجانے کے بعد جب رضاخانی مولویوں نے ان شرائط پر ٹھنڈے دل سے غور کیا تو انھیں محسوس ہوا کہ ہم بندش کے دَل دَل میں پھنس گئے ان شرائط کے ساتھ مناظرہ ہمارے لئے ممکن نہیں ہے، بجز ہنگامہ آرائی اور مکروفریب کے، کامیابی انھیں راہوں سے ہوسکتی ہے۔ پھر تو اپنی عادتِ رذیلہ کے مطابق جھریا شہر اور اس کے مضافات میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ یہ اعلان شروع کردیا کہ مناظرِ اسلام حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند مناظرہ سے فرار اختیار کرگئے اور وہ یہاں سے بھاگ نکلے۔ اور اِدھر حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب جھریا کی مشہور درسگاہ مدرسہ محمودیہ میں عوام سے مصروف گفت گو تھے۔ جب لوگوں کے کانوں میں یہ آواز پہونچی تو رضاخانیوں کے اس مکر اور جھوٹ پر ان کو تعجب ہوا۔ پہلی بار جھریا کے عوام نے محسوس کیا کہ رضاخانی مولویوں کے کشکول میں سوائے جھوٹ اور مکروفریب کے کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کے یہاں محبت رسول محض ایک ڈھونگ اور فرضی دعوئ محبت ہے۔ سنت نام کی کوئی چیز ان کے پاس موجود نہیں ہے، ان کے ایمان کی گٹھری میں کفر وشرک اور بدعات کا پلندہ ہے، شریعت اور محبتِ رسول کے نام پر شکم پروری کی دوکان کھول رکھی ہے۔ مناظرہ میں غالب آنے کے لئے یہ رذیل سے رذیل حرکت پر اُتر آئیں گے۔ قرآن واحادیث یا علمی راز کا مناظرہ ہرگز نہیں کرسکتے۔ اور نہ یہ کہ ان کے بس کی بات ہے۔ جب مولانا موصوف کو رضاخانیوں کی شرارت انگیزیوں کی اطلاع ہوئی تو فوراً مولانا مدرسہ محمودیہ سے نکل پڑے

اور اس مسجد میں پہونچ گئے جہاں ارشد القادری اپنے شرپسند چمچوں کے ساتھ بیٹھ کر ناپاک پروگرام بنا رہے تھے۔ مولانا ارشاد احمد صاحب نے انتہائی جرأت حق کے ساتھ ارشد القادری اور حاضرین مجلس سے پوچھا کہ میرے متعلق فرار کا اعلان کیوں ہو رہا ہے جبکہ میں جھریا میں موجود ہوں، خود آپ کے سامنے حاضر ہوں، آخر اس غلط اعلان کا مقصد کیا ہے اور آپ چاہتے کیا ہیں؟ بے حیا رضاخانیوں کے پاس اس کا کوئی معقول جواب نہیں تھا بجز عذر لنگ کے۔ انھوں نے اس بے حیائی اور غلط کاری کے لئے مولانا سے معذرت چاہی۔ بہرصورت دن اور تاریخ طے ہو جانے کے بعد لوگوں کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے بعد کمیٹی کی جانب سے اشتہار چھپا جن میں دس بنیادی باتوں کی گارنٹی دی گئی تھی۔

آہستہ آہستہ مناظرہ کی تاریخ قریب آتی جارہی ہے

حامیان اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند علمی تحقیق میں مصروف اور منہمک ہیں تاکہ مناظرہ کو سنجیدہ ماحول میں لا کر احقاق حق اور عوام کی ہدایت کا ذریعہ بنایا جائے۔ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ

رضاخانی بجائے کسی علمی تیاری کے غنڈہ گردی منظم ہنگامہ آرائی کی سازش میں مصروف ہیں

کمیٹی تو مناظرہ کے نظم وضبط کو باقی رکھنے کے لئے بنائی گئی تھی نہ کہ غنڈہ گردی کے لئے۔ کمیٹی کی ظاہری شکل اور اشتہار کا مضمون دیکھ کر ہر شخص کو اس پر اعتماد کرنا چاہئے تھا۔ اور لوگوں نے اعتماد بھی کیا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ یہ صورت منافقانہ تھی۔ اس پر نظم وضبط کا غازہ ملا گیا تھا، شدہ شدہ وہ تاریخ بھی قریب آئی جس کا بے چینی سے عوام کو انتظار تھا۔ یعنی ۲۲ ر ۲۳ ر ۲۴ ر اپریل ۱۹۷۸ء ہونا تو وہ چاہئے تھا جس کا اشتہار میں اعلان کیا گیا تھا۔ مگر اندر ہی اندر رضاخانیوں نے خوں ریزی، ہنگامہ آرائی اور شر وفساد کا خطرناک پروگرام بنا لیا اور مقصد کے حصول کیلئے وہی حربہ استعمال کیا جو ان کے خاندانی ترکہ میں انھیں ملا تھا یعنی

واجد حسین نے پولیس کا سہارا لیا

واجد حسین صاحب نے پولیس اور دسٹرکٹ افسران سے تعلقات قائم کئے پھلوں اور روپیوں کے نذرانے دے کر قانونی سہولتیں اپنے حق میں فراہم کر لیں۔ اور تھانہ میں یہ درخواست لکھ کر دے کہ ۲۲ ر ۲۳ ر ۲۴ ر اپریل ۱۹۷۸ء کو نقض امن کا خطرہ ہے میں اس کی ذمہ داری قبول نہیں کر وں گا۔ پولیس خود انتظام کرے

حالانکہ شرائط مناظرہ میں امن کی پوری ذمہ داری صدر اور کمیٹی پر تھی

جس کے نتیجے میں مناظرہ کی مقررہ تاریخ سے پہلے ہی پورے شہر میں ۲۴ رمئی تک کے لئے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہوگیا۔ اب نہ تو کسی میدان میں کوئی اجتماع ہوسکتا تھا اور نہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ کوئی اعلان کرایا جاسکتا تھا، نہ وعظ و تقریر ممکن تھی، سب کے سب یک لخت ممنوع قرار دیدیئے گئے۔ اور پولیس کی جانب سے یہ اعلان کرادیا گیا کہ ایسا کرنے والا مجرم تصور کیا جائے گا۔

رضاخانیوں نے پولیس کے ذریعہ مناظرہ صرف اس لئے بند کرایا

تاکہ اہل علم کا سامنا نہ کرنا پڑے اور عوام میں یہ دھاک بھی بیٹھ جائے کہ ہم تو بہر صورت مناظرہ کے لئے تیار ہی تھے پولیس نے مناظرہ رکوایا، اس لئے ہم مجبور ہوگئے۔ بیچارے عوام کیا جانتے ہیں کہ آپ نے پولیس کو کیا لکھ کر دیا ہے اور کیا گل کھلائے رہے ہیں۔

جب قانوناً مناظرہ بند ہوگیا

تو رضاخانیوں نے اس سے نفع اٹھانے کی مکمل جد وجہد شروع کردی جس کے لئے وہ تمام کارروائی عمل میں لاتے رہے تھے

دفعہ ۱۴۴ کی رُو سے مناظرہ گاہ میں ممکن نہیں تھا

۲۱ر اپریل ۱۹۷۸ء کو تقریباً رات کے آٹھ بج چکے تھے کہ اچانک اہل سنت و الجماعت کے رہنما مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ ارشد القادری وغیرہ پہونچ گئے ہیں، قانوناً مناظرہ بند ہوگیا ہے، میں آپ کی خدمت میں مناظرہ کمیٹی کے صدر واجد حسین صاحب کو لاتا ہوں وہ مناظرہ سے متعلق کچھ ضروری گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ مجوّزہ منصوبہ کے مطابق کچھ ہی وقفہ کے بعد واجد حسین پہونچ گئے۔ اور سب سے پہلے دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ پر ذہنی افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ حضرت چلئے ایک بار دفعہ ۱۴۴ کے توڑوانے کی کوشش کی جائے اور مناظرہ کی اجازت لی جائے۔

ظاہر ہے واجد حسین کے اس گفتگو میں نفاق پوشیدہ تھا —— انھوں نے تو ۱۴۴ کا نفاذ اپنے تعلقات اور سرمایہ کے زور پر کرایا تھا۔ یہ ان کا تقیہ تھا تاکہ عوام محسوس کریں کہ واجد حسین اور ان کا پورا رضاخانی گروپ، مناظرہ کا خواہاں ہے۔ ظاہر ہے واجد حسین کو جو جد وجہد کرنی چاہئے تھی وہ نہیں کی۔ مولانا ارشاد احمد صاحب کو مخاطب کرکے کہا کہ مولانا میں نے پندرہ دنوں کی جانفشانی اور کوشش کے بعد جو اجازت حکام سے لی تھی اس پر پانی پھر گیا۔ اب مناظرہ کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔ اب آپ ہی کوئی حل نکالیں تاکہ باہم غور و فکر کے بعد مناظرہ کرنے کی کوئی شکل نکل آئے۔

امام اھلسنت حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب نے فرمایا

۴۴ء کے بعد مناظرہ گاہ میں مناظرہ ممکن نہیں ہے۔ اب اس کیلئے دو صورتیں ہیں

پہلی صورت : یہ ہے کہ تحریری مناظرہ کرلیا جائے اور بعد میں نتیجہ عوام میں سنا دیا جائے گا

دوسری صورت : یہ ہے کہ کسی بند جگہ میں مناظرہ کیا جائے اور عوام کو نتیجہ سے باخبر رکھا جائے۔ مگر اس صورت میں بھی حکام کی اجازت ضروری ہوگی۔ واجد حسین صاحب دونوں صورت کے لئے تیار ہو گئے۔ کیونکہ رضاخانیوں کا مقصد اس میں حل ہوتا ہوا نظر آیا۔ مولانا ارشاد احمد صاحب نے فرمایا کہ جب آپ بند جگہ کیلئے تیار ہیں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ اب جعبہ یا میں مناظرہ نہ ہو بلکہ دھنباد جامع مسجد میں ہو، وہ زیادہ مناسب مقام ہے۔ لیکن واجد حسین اور ان کی پوری رضاخانی برادری اس کے لئے تیار نہیں ہوئی۔

رضاخانیوں کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ جہاں رضاخانی زیادہ ہوں وہاں مناظرہ ہو اور عوام حکم بنیں تاکہ رند کے رند رہے اور ہاتھ سے جنت نہ گئی

رضاخانیوں کی اس خواہش کا مقصد تھوڑی بہت عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے۔ جہاں اپنے ہم خیال لوگوں کی اکثریت ہوگی، وہاں جائز و ناجائز، بہر دو صورت ہماری تائید ہوگی۔ جانب داری تو رضاخانیوں کی فطرت میں داخل ہے۔ عوام بیچارے

نہ تو قرآن سے واقف، نہ احکامِ شریعت سے واقف اور نہ سنتِ رسولؐ کے اسرار ورموز سے واقف اور نہ اتباعِ رسولؐ کا ہی اہتمام۔ جو منہ سے اُلٹے جملے نکلیں وہ عوام کے نزدیک اسلام ہے، جو شخص چیخ چیخ کر تقریر کرے وہ بڑا عالم ہے اور وہی حق پر ہے عوام تو کالانعام ہوتے ہی ہیں۔ ان کی عدم واقفیت سے فائدہ حاصل کرنا رضاخانیوں کا پُرانا دستور ہے۔ بہرحال واجد حسین صاحب جھریا میں کسی بند جگہ میں مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہوئے۔ اور اپنے قریبی دوست جناب سورج دیو سنگھ ایم۔ ایل اے کے ذریعہ حکومت سے اجازت لے لی۔ لیکن بند جگہ کا تعین نہیں ہو سکا۔ واجد حسین اور ان کے گروپ کے لوگ داؤپیچ میں تھے کہ جگہ ایسی منتخب کی جائے جہاں ہم خیال لوگوں کی تعداد زیادہ ہو، سورج دیو سنگھ نے اس مشکل کا حل پیش کرتے ہوئے فرمایا میں بہار ٹاکیز سینما ہال ۲ بجے دن سے ۱۲ بجے رات تک کے لئے دے سکتا ہوں

مولوی ارشد القادری اور واجد حسین سینما ہال میں مناظرہ کے لئے تیار ہوگئے

حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب نے فرمایا

جس گلاس میں پیشاب پیا جاتا ہو اس میں زمزم نہیں پیا جا سکتا

میں دینی گفتگو کے لئے سینما ہال پسند نہیں کرتا ہوں

مولانا ارشاد احمد صاحب نے سختی کے ساتھ سینما ہال میں مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا اور بات وہیں ختم ہوگئی۔ اس کے بعد واجد حسین صاحب نے جھریا کی بڑی مسجد میں مناظرہ کرنے کی تجویز پیش کی۔ مولانا موصوف نے اصولی طور پر اس کی ایک تحریر طلب کی تاکہ بطور ثبوت وہ میرے پاس رہے۔ واجد حسین صاحب نے جواب دیا، حضرت رات کے گیارہ بج رہے ہیں، میں نے صبح سے اب تک صرف ایک چپاتی پر وقت گذارا ہے، کل صبح مزید گفتگو ہوگی اور آپ کو تحریر بھی حسب خواہش دے دوں گا، یہ کہہ کر چلے گئے۔

دوسرے دن رضاخانی منصوبے کے تحت

واجد حسین صاحب

مکروفریب کی چادر اوڑھ کر حاضر ہوئے

اور حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مبلّغ دارالعلوم دیوبند سے کہا کہ حضرت سب سے پہلے وہ جگہ دیکھ لیں جہاں مناظرہ کرنا ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ پہلے اصولی طور پر ایک تحریر دے دیں، اس کے بعد میں چلوں گا۔ ورنہ ہرگز میں کسی کے فریب میں آنے والا نہیں ہوں۔

واجد حسین صاحب نے قسم کھائی اور یقین دلایا کہ میں کبھی آپ کے ساتھ دھوکہ نہیں کرسکتا

یں کسی ایک فریق اور مسلک کا ماننے والا نہیں ہوں، بلکہ میں حق کا متلاشی ہوں، اور حق کیا ہے سمجھنا چاہتا ہوں، ورنہ میں بلا وجہ اتنی زحمت نہیں اٹھاتا اور نہ اتنی بڑی رقم خرچ کرنے کا بند وبست کرتا۔ حضرت آپ مجھ پر اعتماد کریں بڑی مسجد میں تشریف لے چلیں۔ جب آپ کو جگہ پسند آجائے گی۔ اسوقت آپ جو کہیں گے میں مان لوں گا۔ جس قسم کی تحریر چاہیں گے دیدوں گا۔ پہلے جگہ تو پسند آجائے۔ مولانا ارشاد احمد صاحب ایک نائب رسول اور سچے مومن ہیں، انھوں نے واجد حسین کی چکنی چپڑی باتوں پر یقین کر لیا اور واجد حسین صاحب کے ساتھ جامع مسجد کی جانب تنہا چل دیئے۔

مولانا ارشاد احمد صاحب کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ کے گھر (مسجد) کو ناپاک سازش کا اڈہ بنایا جائیگا اور فتنہ و فساد کے خونی ڈرامہ کی ابتدا یہیں سے کی جائیگی

مولانا ارشاد احمد صاحب کی معاونت میں بغیر کسی طلب کے مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی، مولانا ضیاء اللہ صاحب اور مولانا بلال احمد صاحب ساتھ ہولئے اور جامع مسجد جھریا کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب وہاں پہونچے تو منظر ہی کچھ اور دیکھا۔ رضاخانی مولویوں اور عوام سے ساری مسجد کھچا کھچ بھری

ہوئی پائی اور مناظرہ کا اسٹیج لگا ہوا پایا۔ اور اعلانات پر اعلانات ہو رہے تھے کہ علمائے دیوبند بھاگ گئے۔ ان کی شرمناک شکست ہو گئی۔ اب وہ ہرگز ہمارا سامنا نہیں کریں گے۔

رضاخانی مولویوں کیلئے مکر و فریب کوئی نیا نہیں تھا بلکہ ان کے خاندانی ترکہ سے حاصل کردہ تھا

مولانا ارشاد احمد صاحب اور ان کے رفقاء جب جامع مسجد کے اندر تشریف لے گئے، تو باہر سے صدر گیٹ پر تالا ڈال دیا گیا کہ یہ حضرات اندر سے باہر نہ نکل سکیں۔

علماء دیوبند کو ہلاک کر دینے کا پروگرام تھا مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت نے انہیں بچالیا

"کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کے مشہور مثل کے مصداق، مولانا اور ان کے رفقاء کو دیکھتے ہی رضاخانی مولوی چیخنے لگے، دیکھو وہ ارشاد آگئے۔ مناظرہ کیلئے ہم کب سے تیار بیٹھے ہیں اور آپ وقت پر نہیں آئے۔ مولانا ارشاد احمد صاحب اپنی جگہ پر خاموش بیٹھ گئے، خود اور اپنے ساتھیوں کے انجام پر غور و فکر کرنے لگ گئے اور سمجھ گئے کہ ہم لوگ ایک خطرناک سازش کے شکار ہو گئے، مگر علمائے دیوبند تو علمبرداران توحید ہیں۔ خدا کو مختار کُل سمجھتے ہیں۔ خدا کی مرضی کے سامنے اپنی جبین نیاز جھکاتے ہیں، مکمل طور پر اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر کے دنیا کے امور انجام

دیتے ہیں۔ اسی توحیدِ خالص کی بنیاد پر مولانا ارشاد احمد صاحب کے قلب میں عزم پیدا ہوا اور انجام سے بے خبر ہو کر اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر بے خوف خطر ہو کر رضاخانیوں کی کثیر جماعت کے قلب میں بیٹھ کر بتوکل علی اللہ وقتی مناظرہ کا چیلنج قبول کر لیا۔

رضاخانی مولویوں نے مرتبہ پروگرام کیمطابق بغیر کوئی گفتگو کئے ہوئے مناظرہ کی کارروائی شروع کر دی

سب سے پہلے رضاخانیوں کا مشہور مولوی، دریدہ دہن، گستاخِ رسول مشتاق الٰہ آبادی نے کھڑے ہو کر ابتدائی تقریر شروع کر دی اور کہا لوگو! اعلان کے مطابق، ۹ بجے سے ۱۲ بجے تک مناظرہ ہونا ہے۔ لہٰذا اب مناظرہ کا وقت آ گیا، اس لئے میں مولانا ارشاد احمد صاحب سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ مناظرہ کے لئے اپنی جانب سے کسی کا نام صدر کے لیے پیش کریں، تاکہ مناظرہ کی کارروائی اپنے وقت سے شروع ہو سکے۔

مولانا ارشاد احمد صاحب نے برجستہ جواب دیا!

کہ بھائیوں مجھے واجد حسین صاحب جگہ کے انتخاب کے لئے لائے ہیں، میں تو جگہ دیکھنے آیا ہوں کہ مناظرہ کے لئے یہ جگہ مناسب بھی ہے یا نہیں، اور چند ضروری

ابتدائی باتیں طے کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اگر انھوں نے مناظرہ کرنا یہیں طے کرلیا تھا تو مجھ سے اظہار کرنا چاہئے تھا تاکہ میں بھی کیل کانٹے سے لیس ہوکر مکمل تیاری کے ساتھ حاضر ہوتا، مگر واجد حسین صاحب نے نفاق کا لبادہ اوڑھ کر معصوم صورت بناکر قسم کھائی ہے کہ صرف مجھے جگہ دکھلانا ہے۔ کہاں گئے واجد حسین صاحب وہ جواب دیں۔ لیکن واجد حسین صاحب جواب کیا دیتے۔ رضاخانی پروگرام کے مطابق اپنی چال چل کر کامیاب ہوگئے تھے۔

واجد حسین صاحب کو اپنی اس مکّاری پر ناز بھی تھا اور زیر لب مسکراہٹ بھی تھی

وہ ایک خاموش تصویر بنے اپنی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا، تو مولانا ارشاد احمد صاحب نے عوام کو مخاطب کیا اور فرمایا کہ لوگو! اگر یہ بات صحیح مان بھی لی جائے کہ میں نے مسجد میں مناظرہ کرنا طے کرلیا ہے تو میں وقت سے پہلے حاضر ہوا ہوں، یہ اعلان فرار وشکست کیسا ہے آپ حضرات اپنی گھڑیاں دیکھئے، کیا ۹ بج چکے ہیں۔ عوام نے جواب دیا نہیں نہیں مولانا ارشاد احمد صاحب نے فرمایا کہ جب ۹ نہیں بجا ہے تو شکست وفرار کا اعلان کیوں ہورہا ہے۔ کیا یہ رضاخانی مولویوں کا کھلا ہوا فریب نہیں ہے۔ عوام نے جواب دیا بیشک یہ لوگ مکّار ہیں (عوام میں رضاخانیوں کی اکثریت تھی مگر

حقیقت کا اعلان نہیں کر سکتے، مولانا نے فرمایا کہ خیر میں اب مناظرہ کروں گا مگر ہمارے علماء کو ان باتوں کی خبر کی جائے وہ ابتک اس نئی جگہ سے واقف نہیں ہیں مگر رضاخانی مولوی مُصر تھے کہ وہ آئیں یا نہ آئیں، آپ مناظرہ شروع کر دیجئے اس لئے کہ جب اکثریت علمائے دیوبند کی موجود ہو جائے گی تو مولانا کو تقویت پہونچے گی اس طرح یہ چند اپنے رفقاء کے ساتھ ہیں، اسی وقت ان سے مناظرہ آسان ہے مگر بیچاروں کو کیا خبر تھی اہلِ حق تنہا منہ میں مچھلی کا کانٹا بن کر پھنس جاتے ہیں۔

مولانا ارشاد احمد صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنے علمائے کے آنے سے قبل ہی مناظرہ شروع کر دوں تو میں اس کیلئے بھی تیّار ہوں

آپ حضرات نے ۱۵ منٹ تقریر کی ہے۔ میں بھی ۱۵ منٹ تقریر کروں گا۔ اور یہ کہہ کر تقریر شروع کر دی۔ رضاخانی مولویوں نے مولانا ارشاد احمد کی تقریر رکوانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر مولانا ارشاد احمد صاحب نہیں رُکے اور اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے مطالبہ کیا کہ رضاخانی رہنما پرانی عادتِ خبیثہ کی بنیاد پر قبل از وقت میرے فرار و شکست کا اعلان کر رہے تھے، جب تک یہ رضاخانی علماء اپنے الفاظ واپس نہیں لیتے اور معافی نہیں مانگتے اس وقت تک مناظرہ ہرگز شروع نہیں ہوگا۔

مولانا ارشاد احمد صاحب کا یہ مطالبہ نہایت سنگین تھا، اس مطالبہ سے رضاخانی برادری میں کھلبلی مچ گئی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے، وہ اس کشمکش میں مبتلا ہو گئے کہ اگر معافی مانگی گئی یا یہ الفاظ واپس لئے گئے تو اپنے مکروفریب کا پردہ برسر مجلس فاش ہوگا، اور یہ ایک طرح کی کھُلی ہوئی شکست ہوگی۔ رضاخانی برادری کی یہ تشویش بیجا نہیں تھی، مگر اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا، یا تو مناظرہ سے باز آنا پڑتا یا پھر معافی مانگنی پڑتی، یہ دونوں رضاخانیوں کے لئے موت کے مترادف تھا، مگر کرتے کیا، ایک گھنٹہ کی بحث وتمحیص کے بعد

مولوی مشتاق نظامی الٰہ آبادی نے بھری محفل میں اپنے الفاظ واپس لئے اور معافی مانگی وہ منظر قابل دید تھا

جب مولوی مشتاق احمد الٰہ آبادی نے بھری محفل میں اپنی اور اپنی جماعت کی غلطی کا اعتراف کر لیا تو رضاخانی علما اور عوام پر بجلی گر پڑی، وہ اپنا ہوش وخرد کھو بیٹھے۔ ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ دیوانگی کا یہ عالم تھا کہ بولنا کچھ چاہتے تھے اور زبان سے الفاظ کچھ ادا ہو رہے تھے، بعض پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔

مولوی مشتاق نظامی کی معافی اور مولوی ارشد القادری کی مسلسل خاموشی نے ثابت کر دیا کہ حق علمائے دیوبند کیساتھ ہے

مولوی مشتاق الہ آبادی کی معافی تلافی کے بعد مولوی ارشد القادری کی مہر سکوت ٹوٹی اور کہا آپ حضرات یعنی علمائے دیوبند اپنی جانب سے کسی صدر کا انتخاب کریں، اس اعلان کے بعد اہل سنت والجماعت کے اسٹیج سے مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند صدر منتخب ہوئے۔ اور رضاخانی اسٹیج سے مولوی حبیب الرحمٰن کٹکی صدر چنے گئے۔ مولانا ارشاد احمد صاحب نے رضاخانی جماعت سے کہا آپ اپنے مناظر کا نام پیش کریں۔ بہت ہی غور و فکر کے بعد رضاخانیوں نے اپنی جماعت کے سرخیل نام نہاد عالم مولوی ارشد القادری کا نام پیش کیا بایں تصور کہ اب ان کے جیسا تو کوئی عالم ہے ہی نہیں، بس یہ کھڑے ہوتے ہی اپنی عیارانہ چال سے دیوبندی مناظر پر غالب آجائیں گے۔ مگر وقت نے بتلادیا کہ اھل حق کے ساتھ مناظرہ بچّوں کا کھیل نہیں ھے رضاخانیوں کے دانت کھٹے ھوگئے، گلے میں دَم گُھٹنے لگا۔ ھاتھ پاؤں سرد ھوگئے، اگر غیرت وحیا کا تھوڑا بھی حصّہ ھوگا تو:—

رضاخانی علماء کبھی اہل حق علمائے دیوبند کا ساتھ مناظرہ نہیں کرسکتے لیکن بے حیائی ان کی فطرت میں شامل ہے۔

لات کھاتے جاتے ہیں اور تال ٹھونکتے جاتے ہیں

کسی نے سچ کہا ہے غیرت مند آدمی کے لئے تھوڑی سی ڈانٹ شرم وندامت کا سبب بن جاتی ہے اور بے حیا کو چور اہے پر جوتے رسید کر دو تو مسکراتے ہوئے بھاگ نکلتا ہے، جیسے کہ اس کے ساتھ کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ ٹھیک یہی حال رضاخانی مولویوں کا ہے۔

بہر صورت مولانا ارشاد احمد صاحب نے فرمایا: مولوی ارشد القادری کسی اہمیت کے حامل نہیں ہیں اور نہ انہیں علم سے کوئی واسطہ ہے، اس لئے میری جانب سے کوئی عمر دراز عالم مناظر نہیں ہوگا بلکہ مسلک دار العلوم دیوبند کے ایک نوجوان فرزند فاضل جلیل مولانا سیّد طاھر حسین صاحب گیاوی ہوں گے یہ سُنکر مجمع پر سنّاٹا چھا گیا اور ایک بار پھر

رضاخانیوں نے اپنی شکست کا احساس کیا

احساس شکست خوردگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی ارشد القادری جو رضا نیت کے ترجمان، داعی ونقیب ومناظر تھے، بجائے اصولی گفتگو کرنے کے بے تکی اور بہکی بہکی باتیں کرنی شروع کر دیں، اسی دیوانگی میں

ارشد القادری کو یہ ہوش تک نہیں تھا کہ کسی دینی محفل کا آغاز قرآن پاک کی تلاوت سے ہونا چاہیئے کیونکہ پاگل کی عقل ماری جاتی ہے

بغیر قرآن پاک کی تلاوت کئے ہوئے تمام شرائطِ مناظرہ کو پسِ پشت ڈال کر اکابرِ علمائے دیوبند پر پرانے اعتراضات شروع کر دیئے جن کا متعدد بار جواب دیا جا چکا ہے۔ مولانا ارشاد احمد صاحب صدر اہل سنت والجماعت نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ مولوی ارشد القادری! آپ کے اعتراضات غلط ہیں، شرائطِ مناظرہ کی بارہویں دفعہ یہ ہے کہ علمائے بریلی اپنے اکابر کا ایمان ثابت کریں گے۔ پہلے ہم سائل ہیں اور آپ مجیب ہیں۔ تیرہویں دفعہ یہ ہے کہ علمائے دیوبند اپنے اکابر کا ایمان ثابت کریں گے۔ دوسرے میں آپ سائل ہیں ہم مجیب ہیں۔ مگر آپ اُلٹی گنگا بہا رہے ہیں، علمائے رضاخانی تو یوں بھی بوکھلاہٹ میں تھے۔ سب نے مل کر بیک آواز کہا، آپ جلسے کے صدر ہیں۔ آپ کو

بولنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ علمائے حق کے مناظر مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی کھڑے ہوئے اور للکار کر کہا کہ افسوس کہ آپ کی حواس باختگی اس حد تک پہونچ گئی، عقل و خرد کھو بیٹھے، کیا اس کی تمیز بھی جاتی رہی کہ اصولی طور پر بدرجہ اولیٰ صدر مجلسِ مناظرہ کو بولنے کا حق حاصل ہے (گھڑی بارہ بجا رہی تھی)

ادھر علمائے رضاخانی کے چہروں پر بھی بارہ بج رہا تھا

علمائے رضاخانی سوائے شور و شغب کے اور کوئی جواب نہیں دے سکے، اسی فضا میں علمائے دیوبند کے اسٹیج سے قرآن پاک کی تلاوت شروع ہوگئی اور اب باضابطہ مناظرہ کی ابتدا ہوئی۔ یہ صالحانہ کارروائی رضاخانی عوام نے دیکھی تو متاثر ہوگئے۔ اور اپنے علماء کے اس فعل پر لعنت بھیجنے لگے، کیونکہ انھوں نے سنت کے خلاف کارروائی شروع کی تھی۔ ظاہر ہے جس جماعت نے زندگی بھر رسول کی سنت مٹانے کی جد وجہد جاری رکھی ہو اور بدعت کے استحکام کے لئے مناظرہ تک کیا ہو اس کو سنت کی پیروی کی توفیق کیسے مل سکتی ہے۔ عوام کی پریشانی دیکھ کر اور اپنی ندامت دھونے کے لئے علمائے رضاخانی نے بھی اپنے اسٹیج سے قرآن پاک کی تلاوت شروع کرادی، جیسے ہی قرآن پاک کی تلاوت ختم ہوئی فوراً مناظر اسلام رئیس المتکلمین حضرت مولانا

سید طاہر حسین صاحب گیاوی نے کھڑے ہو کر شرائط مناظرہ کے مطابق سوالات قائم کر دیئے۔

پہلا سوال

عوام سے مخاطب ہو کر جناب احمد رضا خاں صاحب بانی مذہب رضاخانی اپنے عقائد باطلہ کی بنیاد پر کافر، مرتد، ملعون، زندیق اور خارج از اسلام ہیں۔ انھوں نے قرآن کی آیتوں کا صاف انکار کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور دیگر علمائے امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن کی ایک آیت کا انکار کرنے والا کافر ہے خود احمد رضا خاں صاحب نے تمہید الایمان میں لکھا ہے، کلام الٰہی میں فرض کیجئے اگر ہزار باتیں ہوں تو اُن میں سے ہر ایک بات کا ماننا ایک اسلامی عقیدہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص ۹۹۹ مانے اور صرف ایک نہ مانے تو قرآن عظیم فرمارہا ہے کہ وہ ان ۹۹۹ کے ماننے سے مسلمان نہیں بلکہ صرف اس ایک کے نہ ماننے سے کافر ہے۔ دنیا میں اس کی رسوائی ہوگی اور آخرت میں اس پر سخت تر عذاب جو ابدالآباد تک کبھی موقوف ہونا کیا معنیٰ ایک آن کو ہلکا نہ کیا جائے گا کہ (۹۹) کا انکار کرے اور ایک کو مان لے تو مسلمان ٹھہرے یہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں بلکہ بشہادتِ قرآنِ عظیم خود صریح کفر۔

تمہید الایمان صفحہ ۳۳ مصنفہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خانصاحب۔
(مطبوعہ لیتھو برقی پریس کانپور)

اعلیٰ حضرت خود اپنے فتویٰ کی رُو سے بھی کافر ہیں۔ پہلے آپ ان کا صاحب ایمان ہونا ثابت کیجئے۔ خاں صاحب نے اپنے ملفوظ جلد اول صفحہ ۷ پر لکھا ہے کہ

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے چار روز میں آسمان از یکشنبہ تا چہارشنبہ پیدا کیا۔"

جب کہ قرآن پاک کے ۲۴ پارہ رکوع ۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ السَّمٰوٰتِ فِیْ یَوْمَیْنِ۔

ترجمہ: پورا کر دیا اللہ نے ساتوں آسمانوں کو دو دنوں میں۔

یہ قرآن کا کھلا ہوا انکار ہے، اور منکرِ قرآن کافر ہے۔ قاعدہ کے اعتبار سے مولوی ارشد القادری کو اس کا جواب دینا چاہئے تھا، مگر انھوں نے جنون کے عالم میں بجائے جواب دینے کے علمائے دیوبند پر سوالات کئے۔ مولانا سید طاہر حسین صاحب نے عوام کو مخاطب کر کے فرمایا، حضرات! کیا میرے سوال کا جواب مولوی ارشد القادری صاحب نے دے دیا، جواب دیا نہیں نہیں۔

دوسرا سوال

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اس کے علاوہ اور متعدد قرآنی آیات کا انکار کیا ہے۔ ۱۳۳۰ھ میں "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" سورہ مائدہ کے رکوع ۱۰ میں اور سورہ آل عمران رکوع ۱۹ میں "رسول شہید کئے گئے" ترجمہ کیا ہے

اور شہادت کے قائل ہیں. لیکن ۱۳۳۸ھ میں مرنے سے دو سال قبل "الملفوظ" وجود میں آئی، اس کے چوتھے حصہ صـ۲۷ پر لکھتے ہیں کہ کوئی رسول شہید نہیں ہوا البتہ نبی شہید کئے گئے. اہل علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ پچھلی باتیں پہلے کے لئے ناسخ بنتی ہیں۔ پہلے تو اقرار اس کے بعد انکار۔ الملفوظ کے وجود میں آنے کے دو سال بعد ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ میں ان کی موت واقع ہوگئی۔ ۱۳۳۸ھ سے لے کر ۱۳۴۰ھ تک کے درمیان کی کوئی ایسی تحریر پیش کیجئے جس میں رسولوں کی شہادت کا اقرار کیا ہو. کیا آپ کے پاس ایسا کوئی ثبوت ہے؟ خاں صاحب قرآنی آیت کو جھٹلا کر خود کافر ہو گئے۔ نیز کنز الایمان کی عبارت قابل قبول ہے یا الملفوظ کی۔ ظاہر ہے دونوں میں کوئی ایک ہی صحیح ہوگی۔ دوسری یقیناً قابل لعنت اور ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہوگی۔

مولوی ارشد القادری ششدر و حیران تھے کہ کیا جواب دوں، پریشانی کے عالم میں بجائے جواب دینے کے مکرر علمائے دیوبند کی کتابوں میں سے مولانا تھانویؒ کی مشہور کتاب حفظ الایمان کی ایمان انگیز عبارت علم غیب پر اعتراض کیا جو اس سے پہلے ان کے آباء و اجداد کرتے چلے آئے ہیں جن کے جوابات ماضی میں بار بار دیئے جا چکے ہیں. اس موضوع پر متعدد فیصلہ کن کتابیں آج بھی موجود ہیں جو دیکھی جا سکتی ہیں. جیسے بریلی کا دلکش نظارا دیعہ مناظرہ خاص بریلی شہر میں خانصاحب کے دولت کدہ پر حکم کی موجودگی میں علم غیب کے مشہور مسئلہ پر امام اہل سنت

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم نے کیا تھا اسی کا فیصلہ اور تحریری روئداد کا نام بریلی کا دلکش نظارہ ہے۔

مولانا سید طاہر حسین گیاوی نے عوام سے پوچھا، حضرات کیا میرے سوالوں کا جواب رضاخانی مناظر نے دے دیا۔ عوام نے جواب دیا نہیں نہیں۔

مولانا سید طاہر حسین گیاوی نے مزید فرمایا لوگو! یہ تو میرے سوالوں کا جواب نہیں ہے۔ کیونکہ شرائط مناظرہ میں پہلے سے یہ طے ہے کہ اوّل دور میں سائل علمائے دیوبند ہوں گے اور مجیب رضاخانی عالم۔ دوسرے دور میں اس کے برعکس معاملہ ہوگا۔ ابھی تو دور اوّل کا دوسرا سوال ہے۔ لیکن یہ بیچارے مجبور ارشد القادری ہر سوال کے جواب دینے کے بجائے اعتراض کر رہے ہیں جن کو میں بار بار ٹوک چکا ہوں۔ اب کیا کیجئے کہ یہ فرقہ بے حیا فرقہ ہے نہ تو ضابطوں کا کوئی خیال ہے نہ اصول کا۔ بہر صورت مختصراً یہاں بھی جواب ملاحظہ کر لیجئے ورنہ آپ اپنے معتقدین کو یہ تصور دیں گے جیسا کہ آپ لوگوں کا پرانا دستور ہے کہ ان کے پاس میرے سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ نے علم غیب کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جتنی عمدہ بات کہی ہے شاید اس سے پہلے تو کسی کے کان نے سنی بھی نہ ہوں گے۔ اور یہ رضاخانی عالم جن کا علم کتابوں سے نہیں آتا ہے، بلکہ ان کے فرقہ کے لوگوں کے اونچے اونچے خطابات سے آتا ہے۔ اسی بنیاد پر یہ لوگ عالم

کہے جاتے ہیں ان کو تو مسئلہ علم غیب کی حقیقت کی ہوا تک نہیں لگی ہوگی۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی نہیں کی ہے بلکہ علم غیب ذاتی اور عطائی کے فرق کو بیان کیا ہے۔ علم غیب دو قسم کا ہے، ایک ذاتی، وہ تو خدائے تعالیٰ کے لئے بالاتفاق تسلیم ہے، دوسرا عطائی۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا کسی کے عطا کردہ علم کی بنا پر کسی کو اعلم الغیب کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مولانا تھانوی ؒ فرما رہے ہیں کہ نہیں ایسا عقیدہ رکھنا حضور صلعم کی توہین ہے، کسر شان ہے۔ اگر کسی شخص کو مغیبات کا کوئی علم ہو جائے تو اس کی ذات پر اعلم الغیب کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مغیبات کا علم کسی نہ کسی کو (چاہے ایک ہی علم کیوں نہ ہو) ضرور ہوتا ہے تو کیا اس بنیاد پر سبھی کو اعلم الغیب کہا جائے گا۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ نبوت کی کیا خصوصیت رہی علم غیب کے جاننے میں تو سبھی برابر ہوگئے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص ایک چیز کا علم رکھتا ہے۔ دوسرا شخص دو چار ہزار کا علم رکھتا ہے۔ کُل علم تو خداوند تعالیٰ کو ہے۔ کُل کے نیچے ایک بھی بعض ہے اور چار ہزار بھی بعض تو بعضیت میں دونوں برابر ہوگئے، ایسا عقیدہ رکھنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین کرتا ہے۔

جو عطا کردہ علم کی بنیاد پر حضور صلعم کو اعلم الغیب کہتا ہے وہ توہین رسول کا مرتکب ہے اور اسلام سے خارج ہے۔ اس فہمائش پر آپ کو اور آپ کی پوری برادری کو ندامت محسوس کر کے توبہ کرنی چاہیئے۔ یہ کتنا افسوسناک پہلو ہے

توہین رسول کے مرتکب تو آپ اور آپ کے پورے کُنبے والے ہیں۔ آپ اس کو تسلیم نہ کر کے مولانا تھانویؒ پر توہینِ رسول کا الزام لگاتے ہیں۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا کا مثل مشہور ہے۔ چور تو آپ خود ہیں اور دوسروں کو چور کہتے ہیں۔ ایک آنکھ والا اندھوں کے درمیان گیا تو سب نے اس کو عیب دار کہہ کر اپنی برادری سے الگ کر دیا وہی حال آپ رضاخانیوں کا ہے۔ توہین رسول تو خود کرتے ہیں اور الزام دوسروں کو دیتے ہیں

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

مولانا تھانویؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے کوئی بحث یا انکار نہیں کیا بلکہ عطا کردہ علم کی بنیاد پر عالم الغیب کا اطلاق ذاتِ رسول پر صحیح نہیں ہے اس سے باز رہنے کی ہدایت کی ہے۔ آپ کو تو یہ بات بُری لگنی چاہئے کیونکہ آپ نے رسول کی صحیح تعریف کبھی سُننا گوارا نہیں کیا ہے۔ جاہل لوگوں کو بے وقوف بنا کر محبتِ رسول کا غلط پروپیگنڈہ کر کے پیٹ کے دھندہ کو باقی رکھا ہے۔ اس مختصر وقت میں اس پر بحث بھی نہیں کی جا سکتی۔ آپ مجھے مختلف سوالوں میں الجھا کر میرے سوالوں کے جواب سے بچنا چاہتے ہیں۔ اگر اس بحث کو مفصل دیکھنا ہو اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرفانِ حقیقت کی آنکھ عطا کی ہو تو مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد منظور احمد صاحب نعمانی کی کتاب بوارق الغیب دو جلدوں میں۔ مولانا سرفراز احمد خان صاحب نعمانی کی کتاب ازالۃ الریب حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی کتاب

علم غیب ملک کے مشہور خطیب مولانا عبدالمالک بھوجپوری کی کتاب علم غیب کی حقیقت خود میری کتاب عطائی علم غیب کی حقیقت دیکھیں۔ علاوہ ازیں اس موضوع پر بہت ساری چھوٹی بڑی کتابیں دوسرے علماء کی موجود ہیں دیکھ لیں آپ کے اعتراض کا صحیح جواب مل جائے گا۔

تیسرا سوال

آپ نے اور آپ کے اکابرین نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی بڑی توہین اس نیلگوں آسمان کے نیچے کی ہے شاید اس روئے زمین پر کسی جماعت یا فرد نے نہیں کی۔ ان گستاخانہ اعلے جملے کو سُن کر آفتاب کی روشنی زرد پڑ گئی ہے۔ اہل دنیا پر یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ انبیاءؑ کی بیویاں امت کی مائیں ہوتی ہیں، اپنی حقیقی ماں کے ماں ہونے میں شبہہ تو ہو سکتا ہے مگر انبیاءؑ کی بیویوں کے ماں ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کو امت کی ماں سے خطاب کیا ہے، دیکھئے قرآن "وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ" فطرت انسانی اس پر واقع ہے کہ کوئی شخص چاہے جتنا بھی آوارہ، بدقماش، بدطینت ہو، اپنی ماں کے بارے میں جنسی ارتکاب کا تصور تک نہیں کر سکتا، علی الخصوص جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج کے بارے میں، مگر اس خباثت کو کیا کہیئے کہ آپ کے پیشوا مولوی احمد رضا خاں صاحب گستاخ رسول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کی شان میں ایسے غیر مہذب بازاری اور بے ہودہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ یہ سنکر خود حیا کو بھی حیا آگئی ہے۔ شرم وندامت سے گردنیں جھک گئی ہیں۔ ایسے گستاخ رسول کو مسلمان کہنا تو دور کی بات رہی۔ ایسے شخص کے سایہ سے بھی ایک مسلمان کو بھاگنا چاہیئے۔

تنگ و چُست ان کا لباس اور وہ جوبن کا اُبھار
مَسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لیکر

یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن میرے دل کی صورت
کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینۂ و بر

(حدائق بخشش ص۳۷)

اعیاذ باللہ! اعیاذ باللہ! کیا ایسی توہین کرنے والا مسلمان ہو سکتا ہے؟ مجلس سے ہرگز نہیں ہرگز نہیں کی بیک وقت صدا بلند ہوئی، شرم شرم کے نعرے لگے۔ اس عقیدے اور توہین کی بنیاد پر احمد رضا خاں صاحب کافر ہیں، ان کا ایمان ثابت کیجئے، مولوی ارشد القادری اور ان کی پوری برادری رضا خانی جنون اور دیوانگی کے عالم مبتلا ہو گئی اور اب گردن میں ایسی پھانس لگ گئی کہ نہ اُگلتے بن پڑ رہا تھا اور نہ نگلتے چین تھا۔ جب فرار کی کوئی راہ نہیں دیکھی تو رضا خانی مولوی ارشد القادری نے پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ والے سوالات دُہرائے، جسے وہ اس کے قبل بار بار دُہرا چکے تھے۔ مناظرِ اسلام مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی نے لوگوں کو مخاطب

کر کے پوچھا، کیا لوگو! میرے سوال کا جواب نفوں نے دے دیا، عوام نے جواب دیا نہیں نہیں۔

مولانا سیّد طاہر حسین صاحب نے اپنا سسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے چوتھا سوال کیا۔

چوتھا سوال

آپ کے اکابرین نے اپنی کتابوں میں ایسی گندی عبارتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھی ہیں جس سے پوری دنیا میں تعفّن پیدا ہو گیا ہے اور پچھلے تمام گستاخانِ رسول کو مات کر دیا ہے۔ اربابِ دنیا حسرت زدہ ہیں کہ ایسے لوگ کس منہ سے اپنے آپ کو محبِّ رسول کہتے ہیں، جن کی تمام زندگی رسول کی توہین میں گذری۔ توہین کا ایک نمونہ الملفوظ جلد سوم صفحہ ۳۹ میں موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شب باشی کا لفظ استعمال کیا ہے، جو ایک بازاری اور گھٹیا لفظ ہے جس کے دل میں ذرہ برابر بھی عظمتِ رسول ہوگی، اس طرح کی غلیظ حرکت نہیں کر سکتا ہے۔ "الملفوظ" کی عبارت یہ ہے:

"سیدی محمد بن عبد الباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں۔ وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔"

حضرات! لفظ شب باشی اتنا گھٹیا اور بازاری لفظ ہے کہ اس کو کسی شریف

انسان کے لئے استعمال کرنا دل آزاری کا سبب ہے اور شرافت کے منافی ہے چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جائے۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی و حقیقی تسلیم لیکن ان کی ازواج کی برزخی زندگی انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی طرح حقیقی اور جسمانی ہرگز نہیں۔ اور نہ کتاب و سنت سے کہیں ثابت ہے۔ احمد رضا خاں صاحب نے علامہ عبدالباقی زرقانی پر بدترین قسم کا الزام لگایا ہے۔ ایک عظیم المرتبت، صاحب علم وفن پر یہ اتہام ہے، جو بذات خود سنگین جرم ہے۔ ایک طرف صاحب علم اور اہل اللہ کے ساتھ محبت کا دعویٰ۔ دوسری طرف ان پر اتنا بڑا الزام، دورُخی پالیسی اس دنیا میں نہیں چل سکتی ہے۔ اب لوگ اتنے بیوقوف نہیں رہ گئے ہیں کہ آپ جو چاہیں کہہ دیں، اور وہ تسلیم کرلیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ زرقانی نے اپنی کسی کتاب میں ایسی توہین آمیز عبارت نہیں لکھی ہے، اور اگر بفرضِ محال یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ انھوں نے وہی عبارت لکھی ہے تو خاں صاحب کو اس پر نکیر کرنا چاہئے۔ احتجاج کرنا چاہئے تھا نہ کہ تصدیق، اور بطور تمثیل اس کو پیش کرنا چاہئے تھا۔ ساری دنیا پر بلا وجہ اپنا مذہب چلانے کے لئے کفر کا فتویٰ تو دے دیا لیکن یہ ہوش تک نہیں رہا کہ یہ علامہ زرقانی کا عقیدہ یا فقرہ نہیں ہے بلکہ احمد رضا خاں صاحب کا عقیدہ باطلہ ہے، دل کا وہ چور ہے جو نوک قلم سے ظاہر ہوگیا ہے غلاظت بہر صورت غلاظت ہے اس پر چاہے جتنا بھی سونے اور چاندی کا ورق لپیٹو بدبو پھوٹیگی، کفر، شرک، کفر و شرک ہے اس پر جس مقدار میں محبت رسول ؐ کا ورق چڑھایئے

اس سے تعفن اُٹھے گا، بد بو پھیلے گی۔ اب دنیا والوں کو اتنا بڑا دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ چہرے بے نقاب ہو گئے ہیں۔ حضرات! آپ بتلائیں دنیا کا کوئی شخص بھی خواہ اپنی کتاب میں کچھ بھی لکھے، ہم کیوں اپنی کتاب میں اس کو جگہ دیں گے اور بطور ثبوت اس کو پیش کریں گے۔ یہ توہین اور گستاخی اتنی بڑی ہے جس کی بنیاد پر احمد رضا خاں صاحب خارج از اسلام ہیں، ان کا کفران کے بدن سے اُٹھائیے۔ ان کی ہڈی قبر میں کفر کے بوجھ سے چیخ رہی ہے۔ (سوالات کی تفصیل و تشریح آخر کتاب میں ملاحظہ فرمائیے۔)

مناظر رضاخانیت مولوی ارشد القادری نے گھبراہٹ اور دیوانگی میں کھڑے ہو کر پھر سوالات دُہرائے۔ مولانا سید طاہر حسین صاحب نے عوام سے مخاطب ہو کر کہا کہ حضرات! کیا انھوں نے میرے سوالوں کا جواب دے دیا، بیک وقت مختلف آوازیں فضا میں گونجی، نہیں، نہیں۔

مولوی ارشد القادری ششدر و حیران تھے کہ ان سوالات کا کیا جواب دوں، انھوں نے اپنی کمزوری اور اپنے مذہب پر کاری ضرب محسوس کی بعدہٗ اپنے رفقا سے مشورہ کے بعد دوبارہ اُٹھے اور مناظر اسلام مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی کو مخاطب کر کے کہا۔ آپ اپنے مسلک اور اپنے اکابرین علمائے دیوبند کے موقف کے خلاف ایک نئی بات کیسے کہہ دی۔ آج تک آپ کے علمائے نے ہمیں کافر نہیں کہا، اس کے برعکس ہمارے علماء نے آپ کو اور آپ کے اکابرین کو کافر

کو کافر کہا ہے، کافر کہنے کا حق صرف تنہا ہمیں حاصل ہے، ہم جسے چاہیں کفر کا فتویٰ دیں۔ جس کا ثبوت حسام الحرمین میں موجود ہے۔ یہ دیکھئے آپ کے بڑے عالم مولانا اشرف علی تھانوی کی تحریر وہ لکھتے ہیں، وہ ہمیں کافر تو کہتے ہیں لیکن ہم انھیں کافر نہیں کہتے۔ ان کے پیچھے ہماری نماز ہو جائے گی۔ یہ بتلائیے کہ آپ درست کہتے ہیں یا ان کی تحریر درست ہے۔

مولانا سیّد طاہر حسین صاحب گیاوی نے للکار کر جواب دیا۔ آپ کو ہمارے اکابرین کی تحریر پیش کرتے ہوئے شرم نہیں آتی جن کو آپ نے زندگی بھر کافر کہا۔ جب آپ کا دامن کفر و شرک سے آلودہ ہو گیا، چہرے پر سیاہی لگ گئی تو ہمارے اکابر کی تحریروں میں مُنہ چھپانا چاہتے ہیں۔ آج میں آپ کو بے نقاب کر کے چھوڑونگا۔ آپ علمائے دیوبند کے دامن میں پناہ مت ڈھونڈیئے۔ آپ میرے سوالوں کا جواب دیجئے۔ میرے اکابر صاحب عظمت واحترام تھے۔ یہ ان کا ظرف تھا کہ آپ کو کفر و شرک کی غلاظتوں میں دیکھنے کے بعد بھی پردہ ڈالا۔

آپ ہمارے اکابر کی پیر کے دھون کی برابر تو ہو ہی نہیں سکتے

آپ پہلے یہ بتلائیے کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے نزدیک کافر ہیں یا مسلمان۔ تمام رضاخانیوں نے بیک زبان ہو کر جواب دیا کافر ہیں، تو مولانا سیّد طاہر حسین صاحب نے فرمایا جب وہ آپ کے نزدیک کافر ہیں تو ان کا فتویٰ آپ کے

لئے حجت نہیں بن سکتا۔ ایک غیر مسلم کسی مسلمان کے لئے فتویٰ صادر کرے تو کیا وہ قابل قبول ہو گا۔ عوام نے جواب دیا ہر گز نہیں، ہر گز نہیں۔

یہ رضا خانی زندگی بھر مولانا تھانویؒ کو کافر کہتے رہے اور آج جب کفر کے دلدل میں پھنس گئے اور اپنا ایمان ثابت کرنا ہوا تو مولانا تھانویؒ کی تحریروں سے ایمان ثابت کرنے چلے ہیں۔ اگر آپ یہ فتویٰ یا تحریر مجھ سے تسلیم ہی کرانا چاہتے ہیں تو پہلے مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا صاحبِ ایمان ہونا تسلیم کرلیں اور ایک تحریر دیدیں کہ میں ان کو صاحبِ ایمان سمجھتا ہوں۔ ارشد القادری نے اپنی خبط الحواسی میں ان تمام باتوں کے جواب میں کہا کہ آپ کے اکابر نے ہمیں کافر نہیں کہا ہے اگر آپ فتویٰ دکھلائیے تو ہم مان لیں گے۔

مولانا سید طاہر حسین صاحب نے جواب دیا، جب آپ اسی پر اڑے ہیں تو میں آپ کو فتویٰ بھی دکھلاؤں گا، مگر پہلے آپ مولانا تھانویؒ کا مسلمان ہونا تسلیم کر لیجئے۔ مگر انھوں نے یہی مطالبہ کیا کہ فتویٰ دکھلائیے مولانا سید طاہر حسین صاحب نے فرمایا۔ ہمارے اکابرین نے بہت پہلے آپ کے اکابرین پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، یہ دیکھئے کتاب "قطع الوتین" یہ ہماری عادت نہیں ہے کہ ایک بات کا دنیا بھر میں آپ کی طرح شور مچاتے پھریں۔ احمد رضا خاں صاحب کی شان یہ ہے:

اگر دجالؔ بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

اور یہ آپ غلط کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے خاں صاحب کو ہمیشہ مسلمان ہی تسلیم کیا ہے۔ مسلمان اسی وقت تک کہا جب تک کہ خاں صاحب کے کفری عقائد پر مطلع نہ ہوئے تھے۔ لیکن جب ہمارے اکابر کو خاں صاحب کے خبیث فتوؤں اور کافرانہ عقیدوں کا علم صحیح طریقہ پر ہو گیا تو انھوں نے صاف صاف خاں صاحب کو انھیں کے کلام کی روشنی میں مسلمان ماننے سے انکار کر دیا۔ ہمارے بزرگوں کی تحریریں قطع الوتین کے نام سے کتابی شکل میں بہت پہلے ہی چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اس کی یہ عبارتیں مولوی احمد رضا خاں صاحب کے سلسلہ میں غور سے پڑھئے کیا اس میں ان کو دائرۂ ایمان سے خارج نہیں کیا گیا، قطع الوتین ص۲۷ پر خاں صاحب کے سلسلہ میں یہ فتویٰ ہے: ایسا شخص خدا کا دشمن، رسول کا مخالف، ایمان سے خارج لعنت کا مستحق ہے، اسی کتاب میں چند صفحے کے بعد پھر خانصاحب اور ان کے تمام ہم عقیدہ لوگوں کے متعلق فتویٰ صاف ہے۔ مگر خانصاحب بریلوی اور ان کے اذناب کا ایسا ڈبل کفر ثابت ہوا کہ وہ مر بھی جائیں گے تو اٹھنا محال ہے۔ اگر مسلمان ہیں تو ثابت فرما دیں قطع الوتین ص۳۵ تیسری جگہ بھی خانصاحب سے اپنا ایمان ثابت کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، اب خانصاحب سے مطالبہ ہے کہ اپنا اسلام ثابت فرما دیں۔ قاعدہ الاہم فالاہم پڑھ کر سناتے تھے اس کے موافق اپنے ایمان میں گفتگو کر لیں اور اگر ایمان اور اسلام سے کوئی اور چیز پیاری ہے تو اس کو فرما دیں، قطع الوتین ص۳۶۔

ایک مرتبہ پوری کتاب کا خلاصہ تحریر کرتے ہوئے پھر خاں صاحب کے کافر

ہونے کا خود انھیں کے فتویٰ کے تحت دعویٰ کو جو اسی طرح کیا گیا ہے۔

اور ہمارا دعویٰ یہ تھا کہ خانصاحب اسی تحریر کے حکم سے خود کافر جو اُسے کافر نہ کہے اور اسے کافر کہنے میں تامل تردد کرے وہ قطعی کافر مگر یہ ہمارا فتویٰ نہ تھا بلکہ انھیں کے فتویٰ کا حکم تھا، کوئی ہم کو ملزم نہ بنائے اس کے بھی ملزم ہیں تو خاں صاحب ہی ہیں۔ قطع الوتین ص۲۳۔

آپ بیکار اور لغو سوالوں میں وقت مت برباد کیجئے۔ میرے سوالوں کا جواب دیجئے ابھی تین دن مناظرہ کرنا ہے۔ عوام کو کسی صحیح نتیجہ پر پہونچنا ہے

میرے سوالوں کا جواب دیں یا اپنے اکابرین کو خارج از اسلام تسلیم کرلیں

دوسری کوئی راہ نہیں ہے، لیکن مولوی ارشد القادری بار بار اسی جملہ کو دُہراتے رہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ جب عاجز ہوگئے اور عوام نے بھی تقاضہ کیا کہ جواب دیجئے تو کہا کہ اچھا وہ کتاب قطع الوتین دکھلائیے جس میں آپ کے علماء نے ہمیں کافر لکھا ہے۔ جب مولانا سید طاہر حسین صاحب نے وہ کتاب دکھلائی تو حواس گم ہوگئے، فرار کی کوئی راہ نظر نہیں آئی تو ہنگامہ کرنے پر کمربستہ ہوگئے اور کہا کہ اس کتاب میں کہیں ہمیں کافر نہیں کہا گیا اور بدتمیزی پر اُتر آئے اور گالی گلوج شروع کردی۔

انسانوں کی فطرت یہ ہے کہ

جب ایک فریق اپنے مقابل سے کمزور پڑتا ہے تو قدرتی طور پر اس میں انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور انتقام لینے کی کوئی سبیل نہیں ہوتی تو گالی گلوچ شروع کرتا ہے۔

اس فطری نظام کی زد سے مولوی ارشد القادری بھی نہیں بچ سکے

مسلسل چیختے رہے کہ تم حرامزادے ہو، تم ہار گئے اور ہفوات بکتے رہے ان باتوں سے عوام میں کشیدگی پھیل گئی اور عوام کھڑے ہو گئے۔ جب صدر کمیٹی واجد حسین صاحب نے محسوس کیا کہ مولوی ارشد القادری نے مجمع کو اکھاڑ دیا، تو

باوجود ارشد القادری کے طرفدار ہوتے ہوئے انھیں ڈانٹا

اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ارشد القادری صاحب کو ڈانٹا کہ آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے، بیٹھ جائیے، اس کے بعد ارشد القادری صاحب بیٹھے، لیکن ہنگامہ بدستور جاری تھا۔ علمائے رضاخانی پریشان تھے شرم وندامت دامنگیر تھی اپنی شکست کا احساس ان کو بُری طرح ستا رہا تھا۔ اس ذلّت کو دھونے کیلئے

مولوی انتخاب قدیری نے ایک اور چال چلی کہ اپنے کچھ نوجوانوں کو اشارہ کر دیا وہ کتاب دیکھنے کے بہانے سے اسٹیج پر چڑھ آئے اور بجائے کتاب دیکھنے کے دھینگا مشتی شروع کر دی، اور کہا کہ ان لوگوں کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے یہ اسی طرح ہمیں کافر کہہ رہے ہیں۔ ظاہر ہے ہنگامہ کی فضا پیدا ہوگئی تھی۔ عوام میں بد دلی پیدا ہوگئی تھی، مار پیٹ کی فضا میں کسی شریف کا ٹھہرنا مشکل بن گیا۔ اس لئے یہ مجلس ہنگامہ پر ختم ہوئی۔ اور نہ عوام کو کتاب دیکھنے کا موقع دیا اور نہ انھیں حق سمجھنے دیا

لیکن ان تمام ہنگاموں کے باوجود

احمد رضا خاں صاحب کے کفریات عوام کے سامنے آگئے اور عوام نے سمجھ لیا کہ رضا خانی مولویوں نے اہل حق علمائے دیوبند کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا اور وہ تا قیامت نہیں دے سکتے۔ علمائے دیوبند کے وکیل مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی کے سوالات آج بھی برہنہ تلوار کی طرح ان کے سروں پر لٹک رہے ہیں، کسی میں ہمت ہو تو آج بھی جواب دے دے اسی فضا میں مناظرہ ختم ہوگیا۔

اس کے بعد ملک کے طول و عرض میں اپنی فتح کا پروپیگنڈہ

کیا اور جشن فتح منایا، غلط اشتہارات و کتابچے شائع کر کے تقسیم کیا جیسا کہ ان کی پرانی عادت ہے،

علمائے رضاخانی کا خیال ہے کہ ان کا مسلک و مذہب ایک دوکان کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی جتنی بھی تشہیر کی جائے گی، ان کی دوکان چلے گی غلط لیبل لگا کر اچھی قیمت پر ان کا سامان مارکیٹ میں بکے گا، اس لئے ہمیشہ انھوں نے حقیقت سے منہ پھیر کر پمفلٹ بازی اور پروپیگنڈہ کی روش اختیار کی۔ ظاہر ہے تمام ہندوستان کے لوگ محفلِ مناظرہ میں حاظر نہیں ہوئے تھے۔ ان کے پاس مناظرہ سے واقفیت اور آگاہی کا ذریعہ صرف اشتہارات ہوتے ہیں اس کو دیکھ کر ایک طرفہ ضرور رائے قائم کریں گے۔ علمائے دیوبند ان سب باتوں کے چکر میں نہیں رہتے، جہاں مناظرہ ہوا وہیں بات ختم کر دی، نہ تو انھیں تشہیر کی ضرورت محسوس ہوتی اور نہ اپنی دوکانداری چلانے کی فکر۔ اس لئے ان کی خاموشی رضاخانیوں کے پروپیگنڈہ میں گم ہو کر عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیتی ہے اور حقیقت کے خلاف ایک نئی حقیقت عوام کے سامنے آجاتی ہے، رضاخانیوں کے فلسفے کی بنیاد ایک انگریز کے اس مقولہ پر ہے۔ جھوٹ اتنی بار بولو کہ عوام اس کو سچ تسلیم کریں ظاہر ہے کہ ایک سو بار جھوٹ بولی جائے گی تو اس کے بعد وہ سچ کے خانے میں آجائیگی۔

مگر اس دنیاوی فکر پر خدا کی پناہ! جن کو دنیا عزیز ہے۔ وہ یہ تو کر سکتے ہیں لیکن جس کو فکرِ آخرت ہوگی وہ ہرگز اس طرح کی حرکت نہیں کر سکتا، چاہے اس کی جان چلی جائے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائیں، اور اپنی اور اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پر چلنے کی توفیق بخشیں آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

بر رسولاں پیام باشد و بس



سوالات کی ضروری تشریح

از مولانا سیّد طاہر حسین صاحب گیاوی

پہلا سوال

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: "فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ" پارہ ۲۴، رکوع ۱۶، سورہ حٰم سجدہ ۵، آیت ۱۲۔ پورا کر دیا اللہ نے ساتوں آسمانوں کو دو دنوں میں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کو مکمل طریقہ پر صرف دو ہی دنوں میں پیدا فرما دیا۔ یہی مطلب اس آیت سے سمجھتے ہوئے مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ۱۳۳۰ھ میں ترجمہ کرتے وقت ساتوں آسمانوں کی پیدائش دو دنوں میں لکھی ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ساتوں آسمانوں کو دو دنوں میں پیدا کیا جانا قرآن پاک کے ذریعہ ان کو بھی معلوم تھا لیکن اس کے باوجود دیدہ و دانستہ قرآن پاک کی آیت کا انکار ۱۳۳۸ھ میں کر گئے اور اس کے بعد توبہ یا رجوع کئے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوئے، چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"رب العزت تبارک وتعالیٰ نے چار دن میں آسمان، اور دو دن میں زمین یکشنبہ تا چہارشنبہ آسمان، پنجشنبہ تا جمعہ زمین، نیز اسی جمعہ میں بین العصر والمغرب آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرمایا۔" (الملفوظ حصہ اول صٓ)

اس عبارت سے قرآن پاک کی دو باتوں کا انکار ہوگیا۔ ایک تو یہ کہ قرآن پاک نے کہا تھا کہ ساتوں آسمانوں کو اللہ تعالیٰ نے دو دن میں پیدا فرمایا ہے مولوی احمد رضا خاں صاحب نے کہا کہ دو دن میں نہیں بلکہ چار دن میں، اتوار سے بدھ تک میں پیدا کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ زمین اور اس کے جملہ متعلقات کو اللہ تعالیٰ نے چار دن میں پیدا فرمایا ہے۔ اس بات کا قرآن میں ذکر موجود ہے[1] لیکن مولوی احمد رضا خاں صاحب نے زمین کی پیدائش مع متعلقات دو ہی دن میں لکھی ہے، کیونکہ انھوں نے جمعرات اور جمعہ میں زمین کے ساتھ متعلقات زمین کی پیدائش بھی دو ہی دنوں کے اندر مانی ہے۔ اس لئے دونوں کے اندر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق کا تذکرہ کیا ہے کیوں کہ وہ بھی متعلقات زمین ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس سے قرآن کی دوسری آیت کا انکار ہوا، حالانکہ قرآن کی ایک بات کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دو بات کا انکار کرنے

---

[1] خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام۔ رکوع ۱۴، پارہ ۸، سورۂ اعراف۔

کے باوجود مولوی احمد رضا خان صاحب کیونکر مسلمان رہ سکتے ہیں.

ایک ضروری بات یہ بھی اس جگہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے قرآن کی ان آیتوں کا انکار ۱۳۳۸ھ میں کیا، چنانچہ یہ کتاب ۱۳۳۸ھ میں شائع ہوئی، اور آج ۱۳۹۵ھ تک مسلسل نہ جانے کتنی مرتبہ چھپتی رہی اور فروخت ہوتی رہی ہزاروں رضاخانی علماء کے ہاتھوں میں گئی، نظروں سے گذری، اگر کاتب کی غلطی ہوتی تو اب تک ضرور اصلاح ہوجاتی. ساٹھ برس تک اسی طرح بار بار چھپنا اور ہزاروں علمائے رضاخانی کا اصلاح نہ کرنا کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ کاتب یا مطبع کی کسی غلطی کی وجہ سے ایسا ہرگز نہیں ہوا ہے. بلکہ خود لکھنے والے ہی کا یہ عقیدہ تھا، پھر یہ کہ کاتب کی غلطی سے ایک کلمہ کی کمی بیشی ہوسکتی تھی. لیکن یہ غیر ممکن ہے کہ کاتب اپنی طرف سے چار دن لکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی تشریح بھی یکشنبہ تا چہارشنبہ کا اضافہ کر کے اپنی ہی طرف سے کر ڈالے. اس لئے ماننا ہوگا کہ یہ غلطی کاتب کی نہیں ہے بلکہ قصداً خاں صاحب نے قرآن کا انکار کیا ہے. لہٰذا ان کے بغیر توبہ مرجانے کے بعد اب اگر عبارت درست کرلی جائے یا توبہ نامہ شائع کردیا جائے تو بھی خاں صاحب کا کفر ختم نہیں ہوگا. کیونکہ توبہ وہی کرسکتا ہے جس نے خود جرم کا ارتکاب کیا ہو. اس کی طرف سے کسی دوسرے کا توبہ بے سود ہوگا.

دوسرا سوال

مولوی احمد رضا خاں صاحب اپنی کتاب الملفوظ حصہ چہارم میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ رسول کوئی شہید نہ ہوا، حالانکہ رسولوں کا شہید ہونا قرآن پاک میں سورہ مائدہ رکوع ۱۰، اور سورہ آل عمران، رکوع ۱۹ اور سورہ بقرہ پارہ ۱، رکوع ۱۱ کے اندر تین تین جگہ موجود ہے۔ رسولوں کی شہادت کا انکار کر کے انھوں نے قرآن کی تین آیتوں کا انکار کر دیا۔ اور یہ انکار بھی ۱۳۳۸ھ میں کیا گیا، جس کے بعد دو سال توبہ اور رجوع کئے بغیر زندہ رہے، پھر انتقال کر گئے، خاں صاحب کا سوال و جواب پڑھیں۔

(سائل نے) عرض (کیا)، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی تو بعض انبیاء شہید کیوں ہوئے؟

(خاں صاحب نے جوابا) ارشاد (فرمایا) رسولوں میں سے کون شہید کیا گیا، انبیاء البتہ شہید کئے گئے۔ رسول کوئی شہید نہ ہوا۔ یقتلون النبیین فرمایا گیا نہ کہ یقتلون الرسل۔" (الملفوظ حصہ چہارم ص۲۷)

خاں صاحب کے جواب سے یہ بات روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ رسولوں کی شہادت کا انکار خاں صاحب اس لئے کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن میں یقتلون النبیین تو وارد ہوا ہے لیکن یقتلون الرسل نہیں آیا ہے اگر یقتلون

الرسل میں قتل کا واقعہ رسول کے لفظ سے ذکر کیا جاتا تو خاں صاحب رسول کی شہادت کا اقرار کر سکتے تھے۔ لہٰذا اس جگہ یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ خاں صاحب کے انکار کی یہ وجہ بیان کرنا غلط ہے کہ قرآن میں قتل کا واقعہ رسول کے لفظ کے ساتھ تو موجود ہے۔ مگر خاں صاحب کے نزدیک جہاں جہاں رسول کے ساتھ قتل کا ذکر ہے، وہاں اس سے مراد نبی ہے

یہ تاویل اس وقت کارگر ہوتی جب خاں صاحب نے انکار کی وجہ یہ بتائی ہوتی کہ قرآن میں قتل رسول کا ذکر تو ہے لیکن اس سے مراد بھی قتل نبی ہی ہے۔ حالانکہ خاں صاحب کی عبارت میں اس بات کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے بلکہ وہ تو اس جگہ یقتلون الرسل یعنی قتل رسول کے ساتھ قرآن میں موجود ہونے کا ہی انکار کر گئے ہیں۔ اس لئے قتل رسول سے قتل نبی کسی مفسر نے مراد لیا ہو یا فی الواقع جو پیغمبر شہید ہوئے ہیں سب نبی ہی ہوں جب بھی خاں صاحب پر کفر عائد ہو گا۔ کیونکہ انھوں نے یہ بات تحریر کر دی ہے کہ قرآن میں یقتلون، رسولوں کے ساتھ نہیں آیا ہے حالانکہ رسولوں کے لفظ کے ساتھ بھی تین تین جگہ قرآن میں قتل کا تذکرہ موجود ہے۔

تیسرا سوال

مولوی احمد رضا خاں صاحب کے منظوم کلام کا مجموعہ "حدائق بخشش"

کے نام سے ان کے شاگردوں اور جاں نثاروں نے بڑی تعریف کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اسی حدائق بخشش کے تیسرے حصہ میں صفحہ ۳۷ پر یہ گندے اشعار لکھے ہوئے ہیں اور ان اشعار کے اوپر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مدح کی سرخی قائم کی گئی ہے۔ کیا کوئی مسلمان ایسی بے غیرتی اور بے حیائی کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ اور اپنی ماں کا سراپا پیش کرنا گوارا کر سکتا ہے۔ نقلِ کفر کفر نباشد کے تحت ہم یہ اشعار لکھ کر مولوی احمد رضا خاں کی ایمانی بے شرمی اور جلبسی (؟) کی مریض ذہنیت سے مسلمانوں کو ہوشیار کرنا چاہتے ہیں، اگرچہ لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے اور شرم کے مارے آنکھیں نم ہیں۔
نعوذ باللہ کس کی شان میں یہ گندے اشعار کہے گئے ہیں:

تنگ وچست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار
مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر

یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن میرے دل کی صورت
کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے برون سینہ و بر

(حدائق بخشش حصہ سوم ص۳۷)

جب پہلی مرتبہ ان اشعار پر علمائے دیوبند نے رضاخانیوں کو ہوش دلایا ان کی خبیث ذہنیت پر لعنت بھیجی اور مسلمانوں نے ہلچل مچائی تو رفتہ رفتہ ان اشعار کے متعلق رضاخانی مولویوں نے ایک سازش تیار کی۔ چنانچہ انھیں

گندے اشعار کی نسبت ایک رضا خانی نے مولوی مشتاق نظامی الہ آبادی سے سوال کیا کہ اعلیحضرت نے یہ اشعار کیوں کہے، آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے تو نظامی صاحب کی عاجزی اور بے بسی شک و ریب سے بھرے ہوئے اس جواب کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

س : حدائق بخشش جلد سوم میں جو منقبت سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان گرامی میں مطبوع ہے کیا واقعۃً اعلیحضرت ہی کا کلام ہے یا مولوی محبوب علی صاحب خطیب مسجد مدن پورہ بمبئی کی غلطی ہے۔

ج : عزیز مخلص، سلام مسنون! میں نے مولانا کو بذریعہ کارڈ مطلع کر دیا ہے، دیکھئے کیا جواب آتا ہے، ویسے آپ کو مطمئن رہنا چاہئے وہ اعلیحضرت کا کلام نہیں ہے۔ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ حدائق بخشش جلد سوم کے اکثر و بیشتر کلام اعلیحضرت کے نہیں ہیں۔ یہ حقیقت اس وقت بے نقاب ہوتی جب کہ پہلی دوسری جلد کو سامنے رکھ موازنہ کیا جائے۔

(ماہنامہ پاسبان ص۱۱ جون ۱۹۵۵ء)

جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو آپ نے محبوب علی خاں صاحب جو کتاب کے ناشر تھے، ان سے مدد مانگی، اور سائل کو یہ کہہ کر اطمینان دلایا کہ وہ اشعار اعلیحضرت کے نہیں معلوم ہوتے ہیں۔ محبوب علی صاحب نے توبہ نامہ شائع کیا اور اپنی غلطی اور مصروفیات کی بنا پر ان اشعار کے حدائق بخشش میں شامل

ہو جانے کی معذرت کی۔

بہر حال یہ سب عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے قسم کی باتیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مولوی مشتاق ہوں یا محبوب علی ان لوگوں نے اتنا تسلیم تو کیا کہ کتاب میں یہ اشعار حضرت عائشہ رضؓ کی منقبت ہی کے تحت چھپے ہیں جیسا کہ سائل نے سمجھا ہے، لیکن آج کل کے رضا خانی تو اس قدر سینہ زوری پر اتر آئے ہیں کہ سرے سے ان اشعار کے منقبت عائشہ رضؓ میں چھپنے کا ہی انکار کر دیتے ہیں باقی مشتاق نظامی اور محبوب علی صاحب کا توبہ نامہ اور معذرت نامہ شائع کرنا، علاوہ احمد رضا خاں صاحب کے حق میں غیر مفید ہونے کے خود ان کی جہالت کی روشن دلیل بھی ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ دوسرے کے اشعار کے ذریعہ اپنے اعلیحضرت کے نام کو فروغ دے سکتے ہیں کیا وہ اعلیحضرت کے لئے فرضی کمالات و کرامات نہیں تصنیف کر سکتے ہیں اور وہ کتنے بڑے بے علم ہیں جو اتنی تمیز نہیں رکھتے کہ یہ اشعار کیسے ہیں اور کس کی منقبت کے زیرِ عنوان لکھے جا رہے ہیں، صرف یہ کہہ دینا کوئی معقول عذر نہیں ہو سکتا کہ یہ اشعار اعلیحضرت کے نہیں ہیں، یہ تو بتانا ہی ہوگا کہ ان اشعار کا کہنے والا آخر کون ہے۔ اگر اعلیحضرت نہیں تو محبوب علی صاحب ہیں، اگر وہ بھی برائت کا اظہار کرتے ہیں تو خود بخود کیسے یہ اشعار اعلیحضرت کے کلام کے ذخیرہ میں شامل ہو گئے۔ بہر صورت کوئی رضا خانی ہی ہے، اسی دشواری کی وجہ سے اب رضا خانیوں نے حدائق بخشش حصہ سوم کی اشاعت

ہی بند کر دی ہے۔

چوتھا سوال

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی الملفوظ حصہ سوم ص۳۴ پر فرماتے ہیں:

"سیدی محمد بن عبد الباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں، وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں"۔

اس عبارت میں خاں صاحب نے علامہ زرقانیؒ پر جو افترا کیا ہے وہ بجائے خود ایک عظیم گناہ ہے۔ اس کے علاوہ اپنے دوسرے عقلمند خبیثہ میں مذکورہ عقیدہ کا اضافہ کر کے انہوں نے اپنے دین وایمان کو بھی ٹھکانے لگا دیا ہے۔ تفصیل ناظرین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

پہلی بات تو یہ ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ زرقانیؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے جیسا کہ آئندہ زرقانی کی اصل عبارت سے واضح ہو جائے گا۔ نیز یہ کہ اصل قائل ابن عقیل ہیں، زرقانی صرف ناقل یا مؤید ہیں اور خانصاحب نے جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے لکھ کر الزام زرقانی کے سر تھوپنے کی کوشش کی ہے، اس کے علاوہ ابن عقیل مسلکاً حنبلی

ہیں اور زرقانی مالکی ہیں حنفی نہیں ہیں۔ مزید برآں زرقانی کے تعبیری الفاظ میں ہتک آمیز کوئی لفظ نہیں ہے اور خاں صاحب نے اس عقیدہ کی تعبیر میں لفظ شب باشی استعمال کیا ہے جو نہایت بھونڈا اور ہتک آمیز کلمہ ہے۔

دوسری بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ بفرضِ محال زرقانی کی بات اگر درست تسلیم کرلی جائے جب بھی خاں صاحب نے جملہ انبیاء کرام کے لئے کیوں یہ عقیدہ بنایا۔ زرقانی نے تو صرف حضورؐ کے لئے لکھا تھا۔ اگر دیگر انبیاء کرام کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خانصاحب نے قیاس کیا ہے تو یہ بھی قیاس فاسد ٹھہرے گا کیونکہ افضل پر مفضول کو قیاس کرنا عقلاً و شرعاً کسی طرح درست نہیں

تیسری سب سے اہم بات جو بنیادی ہے وہ یہ کہ قبر شریف اور برزخی زندگی میں ازواج سے ہمخواب ہونا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے از روئے شرع ایک غیر معقول بات ہے۔ اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برزخی زندگی کا حقیقی اور جسمانی ہونا تو بالکل درست ہے جس کا کسی کو انکار نہیں لیکن آپؐ کی بیویوں کیلئے وفات پاجانے کے بعد بھی جسم کا محفوظ رہنا شریعت مطہرہ سے ہرگز ثابت نہیں، حالانکہ ہمخوابی وغیرہ کا تصور یا وجود طرفین کے جسم کے بغیر ناممکن ہے اور ازواج کی برزخی زندگی میں ان کے جسم کی حفاظت کا عقلی امکان واحتمال نکالنا بالکل فرضی قسم کی بات ہوگی جس پر کسی شرعی عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ یہ حماقت صرف رضاخانی ہی لوگ کرسکتے ہیں۔ بنابریں مولوی

احمد رضا خاں صاحب کے متعلق یہ کہنا حق بجانب ہے کہ خاں صاحب نے مذکورہ عقیدہ میں لفظ شب باشی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کر کے بدترین قسم کی گستاخی کی ہے اور ذات انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں توہین ارتکاب کر کے اپنے آپ کو کفر کے دلدل میں پھنسا لیا ہے۔ اردو زبان کی عام بول چال کو سمجھنے والا بھی خوب جانتا ہے کہ اگر کسی شریف انسان سے کہا جائے کہ آپ شب باشی کرتے ہیں تو وہ اپنی ہتک عزت محسوس کرے گا اور ناگواری کا اظہار کرے گا۔ لہذا جب یہ لفظ معمولی شریف انسان کے لئے گستاخی ہے تو سرتاج رسل شرف الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کیسے درست ہوگا، اس لئے خاں صاحب کا مذکورہ عقیدہ اگر بفرض محال درست بھی مان لیا جائے جب بھی خاں صاحب نے اس عقیدہ کی تعبیر ایسے گندے لفظ سے کی ہے جو ان کو ایمان کے دائرہ سے خارج کر دیتا ہے۔ رضا خانیوں کے اس عقیدہ کی گندگی اور ایمان سوزی مولوی احمد رضا خاں صاحب کی ان وضاحتوں کے بعد اپنے آخری نقطۂ عروج کو پہونچ جاتی ہے غور سے پڑھئے:

عرض: یہ حکم جو فرمایا گیا ہے کہ مزار شریف پر پائینتی کی طرف سے حاضر ہو، ورنہ صاحب قبر کو سر اٹھا کر دیکھنا پڑے گا تو کیا عالم برزخ میں بھی اولیاء کرام کو سر اٹھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

ارشاد: ہاں عوام کو بلکہ اولیاء کرام کو بھی اس کی ضرورت ہے اور یہ

تو شانِ نبوت میں سے ہے کہ آگے پیچھے یکساں دیکھنا۔"

(الملفوظ حصّہ سوم)

مطلب یہ ہوا کہ خانصاحب کے نزدیک آگے پیچھے ہر طرف گردن موڑے اور اٹھائے بغیر دیکھنا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے لہٰذا بقیہ لوگ صحابہ ہوں یا اولیاء یا عام مسلمان ان کو قبر اور برزخ میں بھی گردن اٹھا کر اور اِدھر اُدھر موڑ کر ہی دیکھنا پڑتا ہے۔ خاں صاحب کی ایک بات اور ملاحظہ فرماتے چلیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق لکھتے ہیں:

فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ میں دفن ہوئے بغیر چادر اوڑھے بے حجابانہ حاضر ہوتی اور کہتی "اِنَّمَا هُوَ زَوْجِیْ" "میرے شوہر ہی تو ہیں"، پھر جب میرے باپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو جب بھی بغیر احتیاط کے چلی جاتی اور کہتی "اِنما ھو زوجی وابی" میرے شوہر اور باپ ہی تو ہیں، پھر جب حضرت عمر دفن ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو میں نہایت احتیاط کے ساتھ چادر سے لپٹی ہوئی حاضر ہوتی، اس طرح کہ کوئی عضو کھلا نہ رہے حیاءً من عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عمرؓ کی شرم سے۔" (الملفوظ حصّہ سوم)

واضح رہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس حجرہ میں دفن ہونے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ احتیاط اور شرم وحیاء کا یہ عالم جیسا کہ خاں صاحب نے لکھا ہے۔ مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۱۵۴ باب زیارۃ القبور

میں بحوالہ مسند احمد بن حنبل موجود ہے۔ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرم وحیا، اور احتیاط و پردہ کا ایسا ثبوت رہتے ہوئے بھی عقیدہ رکھنا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر سے سامنے ہونے کا خیال رکھتے ہوئے بھی نعوذ باللہ بے ستری کے ساتھ بقول خاں صاحب شب باشی میں مشغول ہوتی ہیں، کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ غور کیجئے بدعت نے رضاخانیوں کو کس قدر بے حیا اور گستاخ بنا دیا ہے۔

اس جگہ یہ بات بھی خیال رہنی چاہئے کہ خاں صاحب بریلوی کے نزدیک یہ دیکھنا روحانی قسم کا دیکھنا یا جسم مثالی سے دیکھنا نہیں ہے کیونکہ اوپر گذر چکا ہے کہ خاں صاحب کے عقیدہ کے مطابق گردن اٹھا کر دیکھنا ضروری ہے۔ اور جسم مثالی کی تاویل بھی خاں صاحب کے عقیدہ میں بے معنیٰ ہے۔ اس لئے کہ ان کے عقیدہ کے مطابق حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جسم محفوظ ہیں اور قبر کے آس پاس گردن اٹھا کر دیکھتے ہیں، خانصاحب کا یہ عقیدہ ملاحظہ کر لیجئے:۔ عرض: وہ کون کون ہیں جن کے بدن کو زمین نہیں کھاتی۔

ارشاد: "حافظ قرآن بشرطیکہ عمل کرتا ہو..... اور عالم دین اور شہید فی سبیل اللہ اور ولی اور وہ کہ درود شریف کثرت سے پڑھتا ہو اور وہ جسم جس نے کبھی اللہ کی نافرمانی نہ کی اور وہ مؤذن جو بلا اجرت اذان دیا کرتا ہو۔"

(الملفوظ حصہ چہارم)

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اگر حافظ با عمل اور عالم دین ولی اور شہید سب میں نہیں تو کسی میں ضرور داخل ہیں۔

لہٰذا ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے مولوی احمد رضا خاں صاحب اور جملہ رضا خانیوں کا عقیدہ یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس والے حجرہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اپنی اپنی قبور میں لیٹے ہوئے ہیں۔ اور ان دونوں کی صاحبزادیاں و دیگر ازواج مطہرات نعوذ باللہ بے ستر ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شب باشی میں مصروف ہوتی ہیں، اور یہ دونوں صحابۂ کرامؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اپنی صاحبزادیوں و دیگر ازواج کا اس حالت میں گردن اُٹھا اُٹھا کر نظارہ کرتے رہتے ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ شرم و حیاء کے اس موقع پر تو کراماً کاتبین جیسے ساتھ رہنے والے فرشتے بھی الگ ہو جاتے ہیں، لیکن رضا خانیوں کے نزدیک معاذ اللہ صحابہ جیسے غیرت مند ازواج مطہرات جیسی پاک دامن اور حیادار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے غیور ان میں سے کسی کو ذرا بھی شرم و غیرت نہیں آتی یہی وجہ ہے کہ رضا خانیوں کے پیر بھی ایسے مقدّس ہوتے ہیں کہ مرید کا پیچھا ایسے وقت بھی نہیں چھوڑتے، ملاحظہ ہو خاں صاحب کیا لکھتے ہیں:

"سیّدی سجلماسی کی دو۲ بیویاں تھیں، سیّدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رات تم نے ایک بیوی کے جاگتے ہوئے دوسری سے ہمبستری

کی، یہ نہیں چاہیئے۔ عرض کیا حضور وہ اس وقت سوتی تھی، فرمایا سوتی تھی سوتے میں جان ڈال لی تھی۔ عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا۔ فرمایا جہاں وہ سو رہی تھی کوئی اور پلنگ بھی تھا۔ عرض کیا ہاں ایک پلنگ خالی تھا فرمایا اس پر میں تھا، تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے۔"

(الملفوظ حصّہ دوم)

اسی حیاء سوز عقیدہ کی وجہ سے رضاخانیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر وناظر بھی مانا ہے۔ اس جگہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ خاں صاحب بریلوی کی طرح علامہ زرقانیؒ پر کفر یا گستاخی کا جرم عائد نہیں ہوگا کیونکہ خاں صاحب کی طرح انہوں نے مردہ کے گردن اٹھا کر دیکھنے وغیرہ کی تصریح نہیں کی ہے اور نہ اس طرح کی حیاسوز باتوں کے وہ قائل ہیں جو خاں صاحب کے عقیدہ میں موجود ہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ علامہ زرقانیؒ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہمخوابی بعد وفات لکھی ہے، اگرچہ وہ بھی اپنی جگہ ایک غلط ہی چیز ہے جیسا کہ اوپر واضح کر دیا گیا ہے۔ لیکن زرقانیؒ کی عبارت میں شب باشی جیسا اہانت آمیز لفظ نہیں ہے کہ کفر لازم آئے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے :۔

"وقال ابن عقیل الحنبلی ویضاجع ازواجه ویستمتع بھن اکمل من الدنیا وحلف علی ذالك وھو ظاھر

ولاما نع منہ" (شرح مواہب اللدنیہ مصری جلد ۶ ص ۱۶۹)

ابن عقیل حنبلی نے کہا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے ہمخواب ہوتے ہیں اور دنیا سے زیادہ کامل طریقہ پر ان سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ اس بات پر ابن عقیل نے حلف بھی اٹھایا ہے۔ اور بات بھی ظاہر ہے کوئی وجہ انکار نہیں۔

انکار کی وجوہات گذر چکی ہیں، لہٰذا یہ عقیدہ کسی طرح درست نہیں۔ اور نہ قابلِ تسلیم ہے۔ لیکن خانصاحب کے لکھنے یا کہنے کی وجہ سے اس عقیدہ کو تسلیم بھی کیا جائے تو ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خانصاحب کی اس ناپاک عقیدہ کی بنیاد تو ابن عقیل کے خود تراشیدہ خیال پر ہے اور ابن عقیل خانصاحب کے نزدیک غیر مقلد، وہابی اور کافر مطلق ہیں اس بنیاد پر بھی یہ عقیدہ کافرانہ ہے۔

ابن عقیل کے ذہن و فکر کے متعلق التاج المکلل ص ۱۹۵ پر نواب صدیق حسن خاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

وکان مع ذالک یتکلم کثیراً بلسان الاجتہاد والترجیح واتباع الدلیل الذی ظہر له ویقول الواجب اتباع الدلیل لا اتباع احمد ولا بن عقیل

اور ان باتوں کے ساتھ ہی ساتھ ان کا نہ از کلام زیادہ تر مجتہدانہ ترجیح در جو دلیل بھی ان کے خیال میں واضح ہو اس کی پیروی میں ہوا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ انسان پر دین کی اتباع ضروری ہے

مسائل کثیرة ینفرد بها و یخالف فیها المذهب فان نظرہٗ کثیراً یختلف و اجتهادہ یتنوع وکان یقول عندی ان من اکبر فضائل المجتهدات یتردد فی الحکم تردد الحجة ومسائله ان النساء لا یجوز لهن استعمال الحریر الا فی اللبس دون الافتراش و الاتنساد ومنها ان صلوٰة الفذ لقح فی الجنازة خاصة ومنها ان الربا یجری فے الاعیان الستة المنصوص علیها ومنها ان الوقف لا یجوز بیعه وان خرب وتعطل نفعه و منها ان المشروع فی عطیة الاولاد الا تسویة بین الذکور

امام احمدؒ کی اتباع ضروری نہیں ہے۔ ابن عقیل کے بہت مسائل ایسے ہیں جن کے اندر وہ منفرد سمجھے جاتے ہیں اور جن کے اندر امام احمدؒ کے مذہب کے خلاف انکی رائے ہے اس لئے کہ ان کا فکر بدلتا رہتا تھا اور ان کا اجتہاد مختلف النوع ہوا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مجتہد کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ دلیل کے ساتھ گردش کرتا رہے۔ انکے مخصوص مسائل میں سے ہے کہ عورتوں کیلئے لباس کے علاوہ فرش اور تکئے وغیرہ میں ریشم کا استعمال درست نہیں ہے۔ انھیں مسائل میں یہ بھی ہے کہ صرف نماز جنازہ میں (صف کے پیچھے) تنہا (کھڑے رہنے والے) کی نماز ہو جائیگی۔ انھیں مسائل میں یہ بھی ہے کہ سود صرف چھ منصوص مصرح چیزوں کے علاوہ میں نہیں ہوتا ہے۔ انھیں میں یہ بھی ہے کہ وقف (کی چیز) کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ وہ چیز خراب اور

والاناث ومنها انه لا يجوز وطئ المكاتبة وان اشترط وطيها في عقد الكتابة ومنها ان الفروع والثمار التي تسقى بماء نجس طاهرة مباحة وان لم تسق بعده بماء طاهر ومن غرائبه انه اختار وجوب الرضا بقضاء الله في الامراض والمصائب و اختار ان النهار افضل من الليل -

بے نفع ہو چکی ہو۔ انھیں مسائل میں یہ بھی ہے کہ اولاد کے درمیان ترکہ تقسیم کرنے میں عورتوں اور مردوں کو برابر برابر دینا درست ہے۔ انہیں سے یہ بھی ہے کہ مکاتبہ باندی سے مباشرت جائز نہیں ہے چاہے عقد کتابت کے اندر اس کی شرط طے ہو چکی ہو۔ ان مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ غلّوں اور پھلوں کی ناپاک پانی سے سیرابی کی گئی تو غلہ اور پھل پاک ہے اگرچہ اسکے بعد پاک پانی سے سیراب نہ کیا گیا ہو۔ ابن عقیل[1] کے عجائبات میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ رضا بالقضاء کو مصیبتوں اور پریشانیوں میں ضروری بتایا ہے یعنی پریشانیوں اور بیماریوں میں علاج و تدبیر ان کے نزدیک جائز نہیں۔ ان کا اختیار کردہ مسلک یہ بھی ہے کہ دن رات سے افضل ہے۔"

افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس قدر واضح عبارات کے ہوتے ہوئے خالفصاحب نے اپنے ناپاک عقیدہ کے اظہار کے لئے ایسے شخص کا سہارا لیا ہے جس کو وہ خود کافر کہتے ہیں۔ (اس کو کہتے ہیں کہ جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے) اگر کسی

---

[1] ابن عقیل کی وفات ۵۱۳ھ میں ہوئی ہے۔

شخص سے خاں صاحب کی دشمنی ہو جاتی ہے تو اس کی بے داغ عبارت پر کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ شخص اپنی تحریر کا صحیح توضیح کرتا ہے اور صفائی پیش کرتا ہے لیکن ان کے نزدیک وہ قابل معافی نہیں ہے۔ اور جس سے خاں صاحب کی دوستی ہو جاتی ہے اس کے ذاتی خیال کو اسلامی لباس پہنا کر اور عقائد کی بنیاد بنا کر ارباب دنیا کے سامنے پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس عقیدہ اور خیالات پر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

اللہ تعالیٰ ہرگز عقبیٰ میں خاں صاحب کو معاف نہیں کریگا۔

